Regd.# MC-1366

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

# ماہنامہ فہمِ دین

•جلد 11 / •شمارہ 04 / •اکتوبر / 2021

## ادھورا آشیاں

## ہم سفر ...!

# محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

## دارِ عنکبوت

## بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

914000056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

# بیت السلام پبلیکیشن
# کے تمام میگزین
# ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

## اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust baitussalamwelfaretrust Baitussalam
baitussalam_org 923162881088 Baitussalam_Org

ماہنامہ

# فہمِ دین

کراچی

اکتوبر 2021


## فہم وفکر

| | | |
|---|---|---|
| اللہ کی ہے یہ زمین | مدیر کے قلم سے | 04 |

## اصلاحی سلسلہ

| | | |
|---|---|---|
| فہم قرآن | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم | 05 |
| فہم حدیث | مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ | 06 |
| آئینہ زندگی | حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ | 08 |

## مضامین

| | | |
|---|---|---|
| ایمان کو عزیز رکھنے والے | حذیفہ رفیق | 10 |
| حضرت زینب رضی اللہ عنہا | ندا اختر | 11 |
| مسائل پوچھیں اور سیکھیں | مفتی محمد توحید | 14 |
| پیٹ کے امراض | حکیم شمیم احمد | 16 |
| نقش خاتم | امۃ اللہ | 17 |
| صلہ رحمی | آمنہ نور | 18 |

## خواتینِ اسلام

| | | |
|---|---|---|
| ادھورا آشیاں | ام نسیبہ | 21 |
| تیری راہ میں | زینب گوہر | 22 |
| عدم برداشت کیوں؟ | عمارہ فہیم | 24 |
| میرے ہم سفر.....!!! | حفصہ فیصل | 25 |
| حیا | آسیہ عمران | 26 |
| موسیقی | بنت ایوب مریم | 27 |
| دار عنکبوت | فروا مشتاق | 28 |
| رنگوں کی کہانی | محمد فیصل | 31 |

## باغچہ اطفال

| | | |
|---|---|---|
| بلا عنوان | تنزیلہ احمد | 32 |
| ٹوٹی چڑیا | سمیرا انور | 33 |
| انوکھا علاج | محمد احمد رضا انصاری | 35 |
| صفائی پسند | سلمان یوسف سمیجہ | 36 |
| کچھوے | فوزیہ خلیل | 37 |
| ننھی خرگوشنی | آشا وقار | 38 |
| فیصلہ | ام محمد مصطفیٰ | 39 |
| بچوں کے فن پارے | | 40 |
| انعامات ہی انعامات | | 41 |

## بزم ادب

| | | |
|---|---|---|
| اخلاق آپ ﷺ کے | جویریہ عابد | 42 |
| بیٹی | ارسلان اللہ خان | 43 |
| گلدستہ | | 44 |

## اخبار السلام

| | | |
|---|---|---|
| فراہمی آب کے منصوبے | خالد معین | 46 |


زیر سرپرستی

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

| | |
|---|---|
| مدیر | محمد خرم شہزاد |
| نائب مدیر | قاری عبدالرحمٰن |
| نظرثانی | طارق محمود |
| تزئین وآرائش | ایم اے کے انوویشن |

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344
marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زر تعاون

| | |
|---|---|
| فی شمارہ : | 40 روپے |
| سالانہ فیس : | 520 روپے |
| بیرون ملک بدل اشتراک : | 35 ڈالر |

| ناشر | مطبع | مقام اشاعت |
|---|---|---|
| فیصل زبیر | واسا پرنٹر | دفتر فہم دین |

# بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین

مدیر کے قلم سے

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بہ خاکِ کاشغر

اسلام چودہ سو سال پہلے بھی دُنیا کی بہترین قیادت کر چکا اور اب بھی اپنے آفاقی اصولوں کی بنیاد پر قیادت کا بھرپور حق رکھتا ہے

آج دُنیا کی تمام اقوام میں اگر کسی کے پاس بہترین خاندانی نظام ہے تو وہ دینِ اسلام کے پیروکار ہیں، جہاں اسٹیٹس کو کی دوڑ میں رشتوں کو پسِ پشت نہیں ڈالا گیا۔ جہاں جینے کا مقصد صرف پیٹ کی ہوس نہیں، بلکہ دینِ اسلام میں ماں کے قدموں تلے جنت! باپ جنت کا دروازہ اور اولاد کی حسنِ تربیت پر جنت کا وعدہ ہے، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، دادا دادی اور نانا نانی کے رشتوں کا حسین گل دستہ ہے، یہ سارا خاندان مل کر ،مادیت کی دوڑ سے بے نیاز، بڑوں کی خدمت اور اپنی اولاد اور امتِ مسلمہ کی نئی نسل کی تربیت میں جتا ہوتا ہے۔

اسلام چودہ سو سال پہلے بھی دُنیا کی بہترین قیادت کر چکا اور اب بھی اپنے آفاقی اصولوں کی بنیاد پر قیادت کا بھرپور حق رکھتا ہے۔

آج دُنیا کی تمام اقوام میں اگر کسی کے پاس بہترین معاشی نظام ہے تو وہ دینِ اسلام کے پیروکار ہیں۔ جہاں غریب کے استحصال کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں دولت کی تقسیم کا منصفانہ اصول ہے، جہاں بیت المال اور زکوٰۃ کا نظام ہے۔ سود کے خلاف اسلام کے رب کا اعلانِ جنگ ہے، ملاوٹ اور کھوٹ کی حوصلہ شکنی ہے، محنت کرکے کمانے والا اللہ کا دوست ہے، خیانت، غصب، رشوت پر جہنم کی وعیدیں ہیں۔ جب اسلام کا معاشی نظام نافذ تھا تو کوئی زکوٰۃ لینے والا باقی نہیں رہا تھا، غریب غریب نہیں رہا تھا اور امیر کی بے لگام اجارہ داری نہیں تھی۔ اور معاشرہ سارے کا سارا خوش حال بن گیا تھا۔

اسلام چودہ سو سال پہلے بھی دُنیا کی بہترین قیادت کر چکا اور اب بھی اپنے آفاقی اصولوں کی بنیاد پر قیادت کا بھرپور حق رکھتا ہے۔

آج دنیا کی تمام اقوام میں اگر کسی کے پاس بہترین عدالتی نظام ہے تو وہ دینِ اسلام کے پیروکار ہیں۔ سزاؤں کے نفاذ میں غریب اور امیر میں کوئی فرق نہیں۔ رسولِ عربی محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ اور کسی دوسرے کی بیٹی فاطمہ میں کوئی فرق نہیں۔ قاضی کی عدالت میں جہاں یہودی کو کٹہرے میں کھڑا کیا جاتا ہے، وہیں خلیفۂ وقت حضرت علی کو بھی کٹہرے میں کھڑا ہونا پڑتا ہے۔

اسلام چودہ سو سال پہلے بھی دُنیا کی بہترین قیادت کر چکا اور اب بھی اپنے آفاقی اصولوں کی بنیاد پر قیادت کا بھرپور حق رکھتا ہے۔

آج دُنیا کی تمام اقوام میں اگر کسی کے پاس بہترین پیمانے ہیں تو وہ دوستی اور دشمنی کے بھی دینِ اسلام کے پیروکار ہی ہیں۔ دوستی ہوس پرستی میں تبدیل نہیں ہوتی اور دشمنی انتقام کا روپ نہیں دھارتی۔ دوستی بھی صرف خدا کے لیے ہوتی ہے اور دشمنی بھی۔ جب تک خدا کا حکم ہوتا ہے تو ننگی تلواریں گاجر مولی کی طرح خدا کے دشمنوں کو کاٹ رہی ہوتی ہیں اور جب انسانیت اسلام کی بالادستی کو تسلیم کر لیتی ہے تو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا نعرۂ مستانہ خوف وہراس میں مبتلا انسانوں کے لیے مژدۂ جان افزا بن جاتا ہے اور دُنیا کے فرعونوں کو یہ ٹھوک بجا کر بتا دیا جاتا ہے کہ

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمین

قارئینِ گرامی! دنیا انسانی عقلوں کے ہاتھوں پامال ہو ہو کر تھک چکی ہے۔ وہ پھر سے ایک نئے نظام کی متلاشی ہے، جو اس کی رگِ جاں کو ان پھندوں سے نجات دے اور وہ نظام اسلام ہی کا آفاقی نظام ہے۔ دُنیا عن قریب ہمارے پڑوسی ملک میں اس اسلامی نظام سے عرصہ دراز کے بعد دوبارہ متعارف ہونے جا رہی ہے۔ امامت کا فریضہ کئی صدیوں کے بعد دوبارہ امتِ مسلمہ کے ہاتھوں میں آنے کو ہے، مگر اس کے لیے ہمیں نظریاتی اور عملی تیاری کرنی ہوگی، اسلام کے قلعوں مساجد اور مدارس کو مضبوط کرنا ہوگا، منبر و محراب کی آواز پر بہ یک آواز لبیک کہنا ہوگا، اپنی جان، مال اور اولاد سے اس اسلامی نظام کی آبیاری کرنی ہوگی اور اقبال کے اس پیغام کو پھر سے ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ:

سبق پھر پڑھ صداقت کا، شجاعت کا، عدالت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

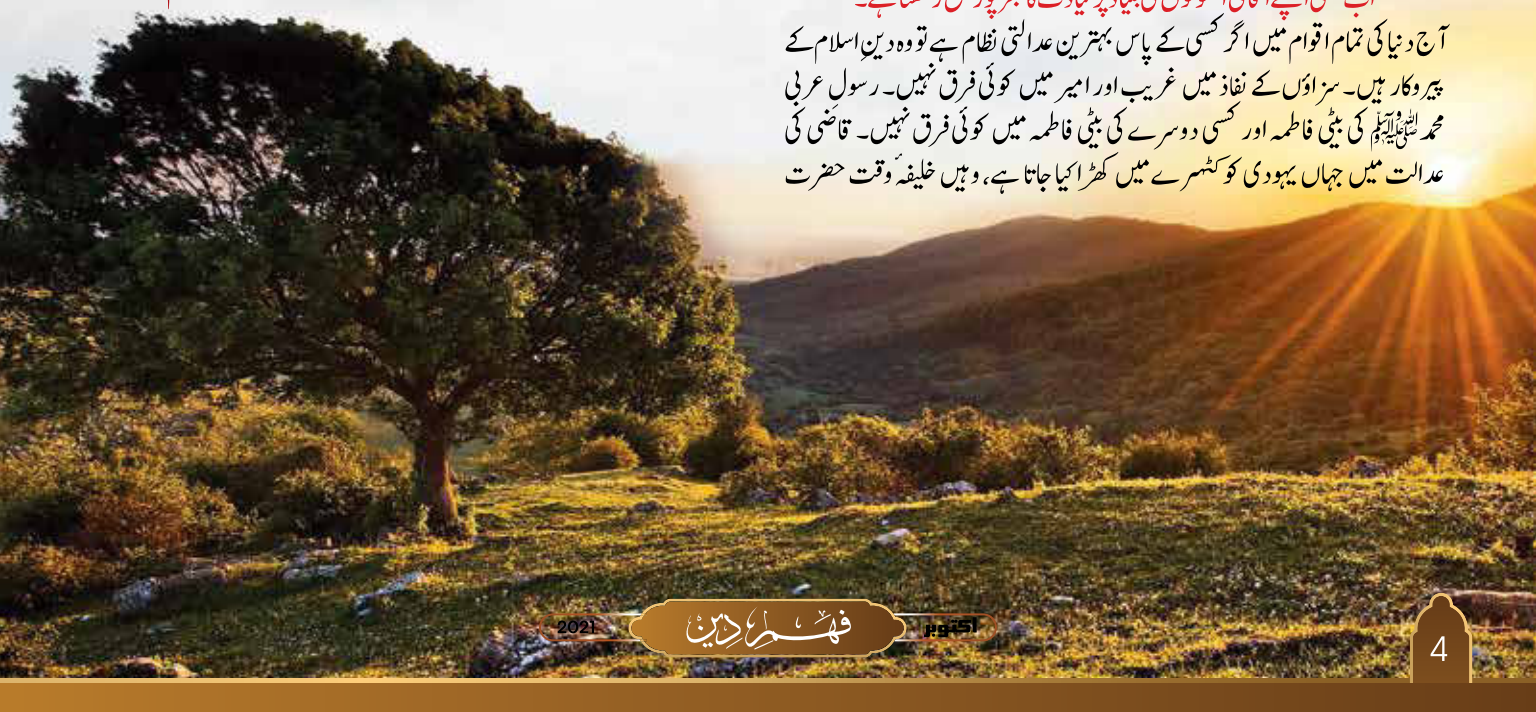

النساء 95-100

# فہمِ قرآن



شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا 95

ترجمہ: جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہیں، وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں، جو لوگ اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں، ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے۔ 95

تشریح نمبر 1: یہ اس حالت کا ذکر ہے جب جہاد ہر شخص کے ذمے فرضِ عین نہ ہو۔ ایسے میں جو لوگ جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ گئے، اگرچہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان کے ایمان اور دوسرے نیک کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے، لیکن جو لوگ جہاد میں گئے ہیں ان کا درجہ گھر بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ البتہ جہاں جہاد فرضِ عین ہو جائے، یعنی جب مسلمانوں کا امیر تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دے دے یا جب کوئی دشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے تو پھر گھر بیٹھنا حرام ہے۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا 96

ترجمہ: یعنی خاص اپنے پاس سے بڑے درجے اور مغفرت اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ 96

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا 97

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے: "تم کس حالت میں تھے؟" وہ کہنے لگے: "ہم تو زمین میں بے بس بنا دیے گئے تھے۔" فرشتوں نے کہا: "کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟" لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ نہایت برا انجام ہے۔ 97

تشریح نمبر 2: "اپنی جان پر ظلم کرنا" قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے، کیوں کہ گناہ کرکے انسان اپنی جان ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس آیت میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے قدرت کے باوجود مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، جب مسلمانوں کے لیے ہجرت کا حکم آگیا تھا تو مکہ میں رہنے والے ہر مسلمان پر شرعاً فرض تھا کہ وہ مدینہ کی طرف ہجرت کرے، بلکہ اس کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا تھا اور اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہیں کرتا تو اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ اس آیت میں ایسے بعض لوگوں کا ذکر ہے کہ جب فرشتے ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے تو ان کے ساتھ کیا مکالمہ ہوا، چوں کہ یہ لوگ ہجرت کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے مسلمان نہیں رہے تھے، اس لیے ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے، البتہ جو لوگ کسی مجبوری کی بنا پر ہجرت سے قاصر رہے تھے، ساتھ ہی ان کا استثنا بھی کر دیا گیا ہے کہ معذوری کی وجہ سے وہ قابلِ معافی ہیں۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا 98

ترجمہ: البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں۔ 98

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا 99

ترجمہ: چناں چہ پوری امید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرما دے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا، بہت بخشنے والا ہے۔ 99

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا 100

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لیے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا اور اللہ بہت بخشنے والا، مہربان ہے۔ 100

# فہمِ حدیث

## صلوٰۃ و سلام کی عظمت و اہمیت

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

"صلوٰۃ وسلام" دراصل اللہ تعالیٰ کے حضور میں کی جانے والی بہت اعلیٰ واشرف درجہ کی ایک دعا ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ پاک سے اپنی ایمانی وابستگی اور وفا کیشی کے اظہار کے لیے آپ ﷺ کے حق میں کی جاتی ہے اور اس کا حکم ہم بندوں کو خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآنِ پاک میں دیا گیا ہے اور بڑے پیارے اور موثر انداز میں دیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

(الاحزاب:56)

اس آیت میں اہلِ ایمان کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ پر صلوۃ وسلام بھیجا کریں (اور یہی آیت کا اصل موضوع اور مدعا ہے) لیکن اس خطاب اور حکم میں خاص اہمیت اور وزن پیدا کرنے کے لیے پہلے بطورِ تمہید فرمایا گیا ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ

یعنی نبی ﷺ پر صلوٰۃ (جس کا تمہیں حکم دیا جارہا ہے) خداوندِ قدوس اور اس کے پاک فرشتوں کا معمول و دستور ہے، تم بھی اس کو اپنا معمول بناکے اس محبوب و مبارک عمل میں شریک ہو جاؤ۔

### درود شریف کی امتیازی خاصیت

اللہ تعالیٰ نے جس طرح ہماری اس مادی دنیا میں پھلوں اور پھولوں کو الگ الگ رنگتیں دی ہیں، (ہر گلے را رنگ و بو دیگر ست) اسی طرح مختلف عبادات واذکار و دعوات کے الگ الگ خواص اور برکات ہیں۔ درود شریف کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ خلوصِ دل سے اس کی کثرت اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ رحمت، رسول اللہ کے روحانی قرب اور آپ کی خصوصی شفقت وعنایت حاصل ہونے کا خاص الخاص وسیلہ ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ مَرَّةً وَّاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو بندہ مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ صلوٰۃ بھیجتا ہے۔

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَاءَ ذَاتَ يَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِي وَجْهِهٖ فَقَالَ اِنَّهٗ جَاءَنِي جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ لَا يُصَلِّيْ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا صَلَّيْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا وَلَا يُسَلِّمُ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِكَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَيْهِ عَشْرًا (رواہ النسائی والدارمی)

ترجمہ: حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر خوشی اور بشاشت کے آثار نمایاں تھے (اس کا سبب بیان کرتے ہوئے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ "آج جبرائیلِ امین آئے اور انھوں نے بتایا کہ تمہارا رب فرماتا ہے کہ اے محمد ﷺ! کیا یہ بات تمہیں راضی اور خوش نہیں کردے گی کہ تمہارا جو امتی تم پر صلوٰۃ بھیجے، میں اس پر دس صلوٰتیں بھیجوں اور جو تم پر سلام بھیجے، میں اس پر دس سلام بھیجوں۔" (سنن نسائی، مسند دارمی)

تشریح: قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے: "وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" (اے نبی ﷺ! تمہارا رب تم کو اتنا عطا فرمائے گا کہ تم راضی وہ جاؤ گے) اس وعدہ کا پورا ظہور تو آخرت میں ہوگا، لیکن یہ بھی اس کی ایک قسط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا اتنا اکرام فرمایا اور محبوبیتِ کبریٰ کا وہ مقامِ عالی آپ ﷺ کو عطا فرمایا کہ جو بندہ آپ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کے احترام میں خالصاً للہ آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے، اللہ تعالیٰ نے اس پر دس صلوٰتیں اور دس سلام بھیجنے کا دستور اپنے لیے مقرر فرمایا اور جبرئیل امین کے ذریعے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی اور اس پیارے انداز میں دی "اِنَّ رَبَّكَ يَقُوْلُ اَمَا يُرْضِيْكَ يَا مُحَمَّدُ (ﷺ)" تمہارا رب فرماتا ہے، اے محمد (ﷺ)! کیا تمہیں ہمارا یہ فیصلہ راضی اور خوش نہیں کردے گا۔)

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

# IT'S PERI PERI TASTY

*A portfolio of sauces specifically put together & made from signature chilli 'PERI PERI' with varying heat levels to meet & relish your taste palate. This range encompasses something for everyone from starter to an extreme heat lover for PERI PERI diehards.*

## BEST WITH

Grilled Chicken | Peri Bites | Drumsticks | Steaks

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

# محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

یہ ربیع الاول کا مہینا ہے۔ رسول اللہ کی ولادت بھی ربیع الاول میں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانا بھی اسی مہینے میں ہے۔ اسی نسبت سے ہم یہ دیکھ سکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت آپؐ کی اطاعت اس انسانیت اور اس امت کے لیے کتنی بڑی دولت ہے۔ اس امت کے ابتدائی طبقے پر نظر رکھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے غلام تھے، انہوں نے مشرق، مغرب، شمال اور جنوب پر فتح کے جھنڈے لہرائے۔ انسانی تاریخ میں یہ حقیقت موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سچے غلاموں نے دنیا میں سب سے بڑی سلطنت قائم کی اور پوری دنیا کو امن اور سلامتی کا تحفہ دیا۔

ساری انسانیت میں امن اور سلامتی کی فضا بنادی۔ سوچنے کی بات ہے کہ کیا دولت تھی ان کے پاس جس سے انہیں عزت ملی، عروج ملا، بلندی ملی، اللہ کی مدد اور نصرت نے ان کا ساتھ دیا۔ اور دنیا کی ساری طاقتیں ان کے پاؤں تلے زیر ہوئیں اس دولت کو اگر دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو ایک اللہ کے نبی کی سچی محبت تھی دوسرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت تھی۔ محبت ایسی کہ اس جیسی محبت کی دنیا بھر میں نظیر نہیں ملتی اور اطاعت بھی ایسی کہ دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ محبت ایسی کہ گویا جیسے محبت کو اپنا صحیح مصرف مل گیا ہو۔ کہ محبت ہونی چاہیے تو اسی ذات سے ہونی چاہیے تھی۔

ایک صحابی گھر میں بیٹھے ہوئے تھے، خیال آیا کہ دنیا میں ذرا سا دل بے چین ہوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاتے ہیں۔ آپ ﷺ کے چہرے پر نظر پڑتی ہے تو دل کو قرار آجاتا ہے۔ جنت میں بھلا کیا مزہ آئے گا، جہاں آپ اوپر ہوں گے، ہم نیچے ہوں گے اور آپ کے دیدار سے ہم محروم رہ جائیں گے۔ یہ بے چینی لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! چین نہیں آیا کہ آپ سے وہاں ملاقات کیسے ہوگی۔ فاصلے ہوں گے دوری ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ جو جس سے محبت کرے گا، کل قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہوگا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم فرمانے لگے ہمارے عمل کے بارے میں تو ہماری دو رائے ہو سکتی ہیں کہ پتا نہیں قبول ہے یا نہیں لیکن حضور ﷺ سے جو ہماری محبت ہے اس میں ہمیں کوئی شک نہیں، تو آج اتنی خوشی ہمیں اس ارشاد سے ہوئی ہے کہ اتنی خوشی ہمیں پہلے کبھی نہیں ملی کہ جب رسول اللہ کی سچی زبان سے سنی جو جس سے محبت کرے گا اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور سچ تو یہی ہے کہ محبت تبھی سچی ہوتی ہے جب اطاعت مکمل ہو۔ کوئی باپ سے کہے مجھے بڑی محبت ہے ماں سے کہے آپ کے بغیر میں جی نہیں سکتا لیکن ماں باپ کی اطاعت اور فرماں برداری اس کی زندگی میں نہ ہو تو سب یہی کہیں گے کہ یہ محبت محض زبانی کلامی ہے سچی محبت ہوتی تو اطاعت بھی ہوتی۔ جہاں سچی محبت ہے اور جس درجے کی اعلیٰ محبت ہے اسی درجے کی وہاں اطاعت اور اتباع بھی ہوا کرتی ہے۔ تو یہ دنیا کے ابتدائی مسلمان جن کو دنیا نے دیکھا کہ ان میں اتنی طاقت بھر گئی کہ جدھر قدم اٹھاتے ہیں کامیابی اور فتح کے جھنڈے لہراتے ہیں۔ وہ کون سا جوہر ان میں تھا یہ تو پہلے بھی تھے اور اپنے قبائل میں ان کے اپنے جنگی کارناموں کے تذکرے بھی تھے خالد بن ولید پہلے بھی تھے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہوئی تو خالد بن ولید صرف خالد بن ولید نہ رہے بلکہ سیف اللہ بھی ہوگئے۔ عمر فاروق اعظم ہوگئے ابو بکر صدیق ہوگئے عثمان، ذوالنورین ہوگئے۔ علی علم کا دروازہ اور بہادروں کے شاہ سوار ہوگئے۔ حضرت حمزہ سید الشہدا ہوگئے۔ نسبت کیا ملی محبت کیا ملی اطاعت کیا ملی کہ ساری دنیا میں چمکنے لگے۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں: مجھے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے موقع پر فرمایا دیکھو! کہیں سعد پڑے ہوں گے، شہدا میں دیکھو میں شہدا میں تلاش کرتا رہا، مجھے سعد بن ربیع نظر نہ آئے پھر میں زخمیوں میں تلاش کرنے گیا تو وہاں مجھے سعد نظر آئے جسم پر 70 سے زائد زخم تھے۔ میں نے کہا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو سلام کہہ رہے ہیں سعد فرمانے لگے: میرا اسلام بھی کہنا اور کہنا کہ مجھے جنت کی خوشبو آرہی ہے۔ پھر سعد ان سے فرمانے لگے: زید! دیکھو تمہاری آنکھ چمک رہی ہو اور اللہ کے نبی کو کچھ ہو گیا تو کل قیامت میں بارگاہ خداوندی میں تم سے کوئی جواب نہ بن پائے گا یاد

رکھو! تمہارے جیتے جی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔ 70 زخم لگے ہیں دنیا سے جانے کو ہیں لیکن فکر ہے تو محبوب خدا کی۔

عتبہ بن ربیع نے جو مشرکوں کا بڑا سردار تھا، اسلام لانے پر حضرت ابو بکر صدیق کو اتنا مارا کہ چہرہ سوج گیا، چہرے ماتھے اور ناک کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوگیا۔ آپ کے خاندان کے لوگ بنی تمیم والے اٹھا کر لے آئے اور انہیں کوئی امید نہیں تھی کہ آپ کی زندگی رہے گی۔ یعنی آپ کے مرنے کے بارے میں انہیں کوئی شک نہ تھا۔ اُم خیر جو حضرت صدیق اکبرؓ کی والدہ تھیں، ان سے کہنے لگے کہ ان کا خیال رکھنا۔ اتنے میں حضرت صدیق اکبرؓ کو ہوش آیا ابھی یہ گےت نہیں تھے فوراً پوچھا اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ قبیلے والے سخت ناراض ہوئے کہ جن کی وجہ سے تمہارا یہ حال ہوا ہے تمہارا یہ حشر کیا گیا ہے انہوں نے اور تم پھر اسی کا نام لے رہے ہو۔ یہ کہہ کر غصے سے نکل گئے یہ اپنی والدہ سے کہنے لگے: بتایئے اللہ کے نبی کا کیا حال ہے انہوں نے کہا: مجھے تو نہیں پتا، کہا: ام جمیل ہیں خطاب کی بیٹی، ان سے جا کر پتا کریں وہاں گئے تو وہ کہنے لگیں: میں تمہارے بیٹے کو بھی نہیں جانتی اور محمد بن عبداللہ کو بھی نہیں جانتی لیکن چلو میں تمہارے بیٹے کو دیکھنے تمہارے ساتھ چلتی ہوں، وہاں پہنچیں تو حضرت ابو بکر نے فرمایا: بتایئے اللہ کے نبی کا کیا حال ہے۔ انہوں نے کہا تمہاری بات تمہاری اماں سن لیں گی فرمانے لگے: تم اس کی پروانہ کرو ام جمیل نے بتایا: اللہ کے نبی خیریت سے ہیں کہنے لگے: مجھے لے چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کو لے جایا گیا جب آپ کا چہرہ دیکھا تو فرمانے لگے: اب دل کو اطمینان ہوا پھر کچھ کھایا پیا۔

احد کا موقع ہے، ایک عورت کو یہ اطلاع ملی کہ ہے اس کا شوہر شہید ہو گئے، پھر اطلاع ملی اس کے والد بھی شہید ہو گئے، پھر یہ اطلاع ملی کہ تمہارا بھائی بھی گیا پھر اس عورت کے کان میں یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ شہید ہو گئے تو پریشانی کے عالم میں دروازے پر کھڑی ہو گئیں، ہر آنے والے سے پوچھ رہی ہیں اللہ کے نبی کا کیا حال ہے۔ آنے والے بتا رہے ہیں کہ تمہارے ابا شہید ہو گئے کسی خبر دینے والے نے کہا تیرے شوہر بھی شہید ہو گئے۔ کچھ بتانے والوں نے بتایا تیرا بھائی بھی شہید ہو گیا۔ لیکن یہ اسی پر مصر کہ مجھے رسول الی کی خیریت کا بتائیں۔ پھر کسی نے خبر دی اللہ کے نبی سلامت ہیں تو یہ خاتون کہنے لگیں: جب آپ سلامت ہیں تو ہر غم ہیچ ہے۔ کہنا آسان ہے لیکن محبت کی دنیا میں ایسی محبت کی نظیر نہیں ملتی۔ حضرت خبیبؓ ہیں، پھانسی کے لیے تختہ دار پر دشمنوں نے کھڑا کر دیا، ایک مشرک محبت کا امتحان لیتا ہے، کہتا ہے اگر تجھے آزاد کر دیا جائے اور تیرے بدلے میں جس پر تو ایمان لایا کو۔۔۔۔ تو حضرت خبیبؓ تڑپ کر کہنے لگے ظالم! مجھے آزادی مل جائے اور اس کے بدلے میں محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے میں کانٹا بھی چبھ جائے مجھے تو یہ بھی برداشت نہیں۔

حضرت حنظلہ ہیں میدان احد میں دشمنوں کی طرف سے برسنے والے تیروں کا سامنا کر رہے ہیں یعنی رسول اللہ کے لیے ڈھال بنے ہوئے ہیں۔ مجال ہے کہ ذرا بھی ہلیں یہ محبت، یہ عشق ہی وہ طاقت تھی کہ بظاہر وہ جماعت مٹھی بھر تھی لیکن دنیا پر بھاری ہو رہی ہے ایسی محبت ایسا عشق، تو سچی بات یہی ہے جہاں محبت سچی ہو وہاں اطاعت بھی ہوتی ہے۔

ایک صحابی فرمانے لگے ایک مجلس میں بیٹھے شراب چل رہی تھی اور وہاں اس فضا میں اور اس ماحول میں شراب ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی اور اسی وجہ سے وہاں شراب کے بیسیوں نام تھے اس لیے کہ ان کے معاشرے اور ان کی زندگی کا ایسا حصہ بن چکی تھی اور اس کا ایسا رواج تھا کہ تصور نہیں تھا کہ کوئی مجلس اس کے بغیر ہو لیکن جب ایک صحابی حضورؐ کی مجلس سے اٹھ کر جاتے ہیں جہاں یہ آیت اتری ہے

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ
رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

ایک دوسری نشست میں جہاں جام شراب چل رہا ہے وہاں پہنچتے ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ پر اترنے والا اللہ کا یہ کلام انہیں سنایا اور کہا: کیا تم باز نہیں آؤ گے صحابی فرماتے ہیں کہ کسی کے ہاتھ میں گلاس تھا کسی نے گھونٹ لیا تھا کسی نے لبوں کے قریب کیا تھا مجال ہے کہ ایک قطرہ بھی حلق میں گرے جہاں جملہ آیا جہاں تھے وہیں رُک گئے۔ وہ منہ میں رکھنے والے نے باہر پھینک دی ہونٹوں والوں نے اسے دور کر دیا گلاس والے نے اسے توڑ دیا گھر میں رکھی شراب کو مٹکوں کو بہا دیا اور یوں لگا کہ مدینہ کی گلیوں میں شراب بہتی نظر آئی اور وہ نشانات بھی مٹا دیے وہ مٹکے بھی توڑ دیے وہ جام بھی توڑ دیے کہ کہیں پھر کبھی خیال نہ آئے جب حضور سے محبت ایسی تو اطاعت کی مثالیں بھی ایسی نظر آتی ہیں۔ اور ایسی اطاعت تھی دنیا والے حدیبیہ کے موقع پر جب دو کافر مسلمانوں کے پاس آئے انہوں نے منظر دیکھا کہنے لگے بڑے بڑے درباروں میں گئے اور بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں سے آنا جانا ہمارا ہوا ہے لیکن جو محبت اور جاں نثاری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں دیکھی ہے اور جو محبت اور عشق اس فضا میں دیکھا ہے جو فرماں برداری اور اطاعت ان کی زندگی میں دیکھی ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں مسلمانوں کے لیے تو سب سے بڑی دولت اور طاقت اور عزت اور سعادت کیا تھی اپنے نبی سے سچی محبت اور اطاعت اور یہ وہی دولت تھی۔

نبیؐ سے محبت والوں میں آپس میں کیسی محبت تھی، روم سے صہیب آئے فارس سے سلمان، حبشہ سے بلال آئے مہاجر اور انصار قریشی اور بنو امیہ، امیر اور غریب، آقا اور غلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سب ایک ہوئے اور ایسا لگا جیسے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور اگر رسول اللہ کی اطاعت نہ رہی تو ایک گھر بھی اکٹھا نہیں رہ سکتا، امت کیا اکٹھی رہے گی ملک کیا اکٹھا رہے گا کوئی قوم کیا اکٹھی رہے گی کوئی زبان والے کیا اکٹھے رہیں گے کوئی برادری اور خاندان کیا اکٹھا رہے گا میاں بیوی چالیس سال سے رہ رہے ہیں لیکن ان کی زندگیاں نبیؐ کی محبت و اطاعت سے خالی ہیں تو محبت سے نہیں رہ سکتے۔

ماں باپ نے خون پسینے سے اولاد کو بڑا کیا پروان چڑھایا میرے نبیؐ کی محبت و اطاعت سے خالی محبتیں اکٹھی نہیں کر سکتیں۔ لیکن جب یہ محبت و اطاعت اس انسانیت میں آئی اس امت میں آئی۔ کوئی مشرق کوئی مغرب کا کوئی شمال کا کوئی جنوب کا لیکن سب یوں جیسے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اسلامی برادری اسلامی اخوت اسلامی بھائی چارہ یہ مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت تھی لیکن اس کے پیچھے دولت کیا تھی نبی سے محبت اور اطاعت اگر آج پھر امت میں یہ محبت اور اطاعت زندہ ہو جائے تو پھر دنیا میں عزت اور سعادت اور فتوحات اور کامیابیاں اس کے قدم چومیں گی اللہ ہمیں اپنے نبی کی محبت اور عظمت اور اطاعت نصیب فرمادے۔

# ایمان کو عزیز رکھنے والے۔۔۔!

حذیفہ رفیق

نبی کریم ﷺ کے پاک ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب ایسے فتنے آئیں گے، جس کا اثر یہ ہوگا کہ صبح کو آدمی مؤمن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مؤمن ہوگا اور صبح کو کافر ہو جائے گا۔

(سنن ابی داود: 4259، 4262، سنن ابن ماجہ: 3961، مسند احمد: 8030)

اس حدیث میں جہاں قربِ قیامت میں لوگوں کی ایمانی کیفیات کا بیان ہے، وہیں سخت تنبیہ ہے کہ قیامت کے قریب ایمان کی حفاظت اور نگہداشت کی جائے اور صرف اپنی ہی نہیں، بلکہ اپنے گھر والوں اور اولاد کی بھی ایمان کی فکر کرنا شرعی حکم ہے۔

الحاد اور ارتداد کے اس سیلاب کا بہت بڑا راستہ تعلیم کی بے راہ روی ہے، اسی بات کی وضاحت کے لیے میں ایک عظیم شخصیت کی کہانی ان کی اپنی زبانی نقل کرنے جا رہا ہوں، جس سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ ہمیں جدید تعلیمی نصاب پر نظر رکھنے کی کس قدر ضرورت ہے؟

وہ کئی اوصاف کا مجموعہ تھے، عالم، مفکر، مفسر، محدث، مصنف، عربی، اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ ان کا نام ہے: مولانا عبد الماجد دریا آبادی۔ یہی مفسر قرآن بھی ہیں اور بڑے عالم دین بھی، لیکن ان پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے، جس میں یہ الحاد کی طرف جا چکے تھے، یعنی یہی نہیں کہ عملی طور پر اسلام سے دور ہو چکے تھے، نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ چھوڑ چکے تھے، بلکہ عقیدہ کے اعتبار سے بھی وہ بقول خود دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے تھے، لیکن پھر دوبارہ اللہ تعالی نے ہدایت کی دولت سے نوازا اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے اصلاح کا تعلق بھی قائم کیا، اور دین اسلام کے لیے عظیم خدمات بھی انجام دیں۔

یہاں میرا موضوع یہ ہے کہ ان پر یہ حال آیا کیسے بھلا؟ وہ کیا سبب بنا جس نے ان کو یہاں تک لا کھڑا کیا؟، چند لفظوں میں پہلے اس کا خلاصہ بتا دیتا ہوں پھر انہی کے الفاظ کو بتصرف واختصار نقل کروں گا، جس سے بات مزید واضح ہو جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان پر اس آزمائش کی سب سے بڑی وجہ انگریز مصنفین کی معاشرت، عقلیات اور فلسفہ کی تصنیفات بنی تھی۔ ابتدا کہاں سے ہوئی؟ وہ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھتے ہیں، جس کا نام ہے "آپ بیتی" (ناشر: مجلس نشریات اسلام):

"جولائی 1908 میں کیننگ کالج میں داخل ہو گیا، لکھنؤ آنا کچھ اور پہلے ہو گیا تھا، اور یہاں ایک عزیز کے پاس ایک انگریزی کتاب محض اتفاق سے دیکھنے میں آ گئی، اچھی خاصی ضخیم۔۔۔ ہر چیز کے پڑھنے اور پڑھ ڈالنے کا مرض تو شروع ہی سے تھا، کتاب کا کیڑا بنا ہوا تھا، بے تکان اس کتاب کو بھی پڑھنا شروع کر دیا، لیکن اب کیا بتایا جائے، جوں جوں آگے بڑھتا گیا، گویا ایک نیا عالم عقلیات کا کھلتا گیا اور عقائد واخلاق کی پوری پرانی دنیا زیر وزبر ہوتی چلی گئی!

کتاب مذہب پر نہ تھی، نہ بظاہر اس کا کوئی تعلق ابطال اسلام یا ابطال مذاہب سے تھا۔ اصولِ معاشرت وآداب معاشرت پر تھی، نام تھا of Social Science Elements۔۔۔ اور مصنف کا نام ڈاکٹر ڈریسڈیل Dyresdale تھا۔ بعد کو یہ بھی کھلا کہ وہ اپنے وقت کا ایک کٹر ملحد تھا، کتاب کیا تھی، ایک بارود بچھی ہوئی سرنگ تھی۔۔۔" (صفحہ: 432)

مولاناؒ کے بیان کے مطابق اس کتاب میں براہ راست دین یا مذہب پر کوئی تنقید نہیں کی گئی تھی، لیکن شریعت میں بنیادی اخلاقی اقدار کو روند ڈالا تھا، جیسے شرم وحیا، عفت وعصمت کی شدید خلاف ورزی اور اس پر سخت تنقید، اس عنوان سے تھی کہ یہ طبعی آزادی کے خلاف ہے، ایک تو یہ باتیں خود نفس کی چاہت کے موافق تھیں، مزید یہ کہ حملہ بھی براہِ راست دین یا شریعت پر نہیں تھا، اس لیے پڑھنے والا محسوس بھی نہیں کر پاتا تھا کہ کس طرح اس کی ایمانی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

"پروپیگنڈے کا کمال بھی یہی ہے کہ حملہ براہِ راست نہ ہو، بلکہ اطراف وجوانب سے گولہ باری کر کے قلعہ کی حالت کو اتنا مخدوش بنا دیا جائے کہ خود دفاع کرنے والوں میں تزلزل وتذبذب پیدا ہو جائے اور قدم از خود اکھڑ جانے پر آمادہ ہو جائیں۔" (صفحہ نمبر: 235)

پھر اسی زمانے میں ایک ضخیم کتاب کئی جلدوں میں ان کو ملی: Literature International Library of Famous، یہ کتاب کیا تھی؟ اور اس کے کس صفحے نے ان کو متاثر کیا؟ اور اس کا اثر کتنا زہریلا تھا؟، اس کو سب کو موصوف یوں بیان کرتے ہیں:

"یہ کتاب بھی مذہبیات کی نہیں، ادب ومحاضرہ کی ہے، ساری دنیا کے ادبیات کے بہترین انتخابات کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے، اس کی ایک جلد میں ذکر قرآن اور اسلام کا ہے، ذکر خیر نہ سہی، لیکن بہر حال کوئی ہجو ومنقصت خصوصی بھی نہیں (یعنی برائی کا تذکرہ بھی نہیں)، لیکن اسی جلد میں ایک پورے صفحہ کا فوٹو بھی "بانی اسلام" کا درج، قد آدم اور نیچے مستند حوالہ درج کہ فلاں قلمی تصویر کا یہ عکس ہے، گویا ہر طرح صحیح ومعتبر۔

اور ظالم نے شبیہ مبارک ایک عرب کے جسم پر عبا، سر پر عمامہ اور چہرہ مہرہ پر بجائے کسی قسم کی نرمی کے، تیوروں پر خشونت کے بل پڑے ہوئے، ہاتھ میں کمان، شانہ پر ترکش، کمر میں تلوار، نعوذ باللہ گویا تمام تر ایک ہیبت ناک وجلاد قسم کے بدوی سردار قبیلہ کی!

اب آج اگر خدانخواستہ پھر اسی طرح کا کوئی نقش نظر پڑے تو طبیعت خود ہی بے ساختہ کہہ اٹھے، استغفر اللہ، اصلیت سے اس پیکر خالی کو تو کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں، حدیث میں تو چہرہ بشرہ، وضع لباس کا ایک ایک جزئیہ دیا ہے، اس سے اس ہیولے کو

بقیہ صفحہ 12 پر

# ام المساکین حضرت زینب رضی اللہ عنہا

ندا اختر

کھانے کا تھال چارپائی پر رکھا ہوا تھا اور فقیر کی صدا کانوں کے راستے دل میں اتری جارہی تھی، جو اپنے دو وقت کے فاقے کا دکھ بیان کرکے روٹی طلب کررہا تھا، معصوم بچی گھر میں کھانے کی موجودگی اور سائل کی بھوک کا احساس کرکے بری طرح بے چین ہورہی تھی، جانتی تھی کہ ماں اندر سے باپ کو بلانے گئی اور اس نے یہ کھانا اسی کے لیے تیار کیا ہے۔

مگر دوسروں کی ضروریات پوری کردینے کی ازلی خواہش سر اٹھارہی تھی جسے وہ کسی طور پر دبا دینے پر قادر نہ تھی۔ خزیمہ بن حارث کی دُختر عبداللہ بن عمرو بن مناف بن ہلال کی پوتی جو اپنی فراخدلی کے باعث علاقہ بھر میں مشہور ہوچکی تھی۔ جو کسی کی ضرورت جان کر اپنے پاس وہ چیز رکھنے کی عادی نہ تھی۔ فقیر کی مسلسل صدا کی وجہ سے بے قرار ہورہی تھی۔ آخر آگے بڑھی تھال اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں بمشکل تھاما اور گھر والوں کے حصے کا کھانا دروازے پر دستک دینے والے فقیر کے حوالے کردیا اور چند ہی لمحوں بعد جب ہند بن عوف اپنے شوہر خزیمہ بن حارث کو کھانے کے لیے لائیں تو تھال غائب تھا، ہندہ نے استفسار کیا تو معصوم بچی گویا ہوئی۔

"ماں! میں نے سب کھانا سائل کو دے دیا، وہ بھوکا تھا نا؟" ماں اپنے غصے کو برداشت کرتے ہوئے بڑی خشمگیں نگاہوں سے اپنی اس چند سالہ بیٹی کو دیکھ رہی تھی جس کی سخاوت گھر بھر کے لیے الجھن کا سبب بنتی جارہی تھی جو گھر کی قیمتی سے قیمتی شے اٹھا کر ضرورت مندوں کو دے دیتی تھی۔ خزیمہ بن حارث نے کہا۔

"ہند! اسے کچھ نہ کہو وہ اپنی فطرت سے مجبور ہے۔" یہ تھیں اُم المومنین حضرت زینبؓ جن کے والد خزیمہ بن حارث والدہ ہند بنت عوف تھیں۔

چوں کہ حضرت زینبؓ کا سلسلہ نسب ہلال سے جاملتا ہے اس لیے وہ ہلالیہ کہلائیں اور بچپن سے منکسر المزاج، رحم دلی، سخی اور غربا و مساکین کے ساتھ شفیق تھیں لہٰذا اُم المساکین کے نام سے مشہور ہوئیں اور یہ نام اس درجہ مقبول ہوا کہ اصل نام کی بجائے آپ اسی نام سے پکاری جانے لگیں۔

آپ کی پیدائش کا زمانہ وہ تھا جب عربوں میں جہالت عروج پر تھی اور کچھ قبائل میں لڑکی کی پیدائش مکروہ تصور کی جاتی تھی۔ دختر کشی کی رسم بھی عام تھی خزیمہ بن حارث کے خاندان کے اکثر لوگ بھی بیٹی کو تذلیل کی علامت سمجھتے مگر سب ہی ایسے نہ تھے پھر چند ہی برس کے بعد اسلام کی تعلیم لوگوں کے کانوں میں پڑنے لگی۔ اور یہ دین فطرت کے عین مطابق آہستہ آہستہ دلوں کو فتح کرتا رہا اور لوگ اسلام کے دامن میں آتے رہے، پناہ لیتے رہے۔ بڑے بڑے سنگ دل دشمن اس دین واحد کے اثر سے دوست بن گئے۔ پھر خزیمہ بن حارث بن عبداللہ کا گھرانا تو ان گھرانوں میں سے ایک تھا جو جہالت کے دور میں شرافت و علم کے اعتبار سے قابل تعریف نظر آتا تھا۔ جناب زینبؓ کا خاندان چند پشتوں میں جاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے مل جاتا ہے یہ وہ زمانہ تھا جب عربوں میں عورت کا کوئی مقام نہ تھا، نہ مرد اسے عزت دیتے تھے اور نہ خود ہی اپنی حالت پر نظر ڈالر کر اصلاح کرنے کے قابل تھیں۔

ایسے میں حضرت زینبؓ رحم دلی، سخاوت اور اخلاق میں بے مثال تھیں۔ جو ایک مرتبہ آپ سے ملتا گرویدہ ہوجاتا آپ جوان ہوئیں تو سرورِ کائنات کے برادر زاد عبداللہ بن جحش سے آپ کا نکاح ہوا۔ یہ آپ کی پہلی شادی تھی۔ حضرت عبداللہ بن جحش اور آپ میں حد درجہ محبت تھی۔ ایک اچھے انسان سے وابستہ ہو کر آپ کی خوبیوں میں مزید نکھار پیدا ہوگیا اپنی ضروریات روک کر دوسروں کی ضروریات پوری کردینا آپ کی فطرت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایمان کے لحاظ سے کامل ترین مومن وہ ہے جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں اگر حضرت زینب کے کردار کو جانچا جائے تو وہ کامل ترین مومن خاتون اور اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پر نظر آتی ہیں۔ جب کوئی ان کے پاس آتا تو آشنا اور ناآشنا سب کے فرق کے بغیر سلام میں پہل کرنا ان کی عادت تھی پھر حیثیت کی پہچان کے بغیر ہر کسی کی خاطر تواضع کرتیں مگر اپنی ضرورت اور خواہش کا اظہار زبان سے بھی نہ کرتیں۔ آپ نے کبھی کسی کو تلخ لہجے یا بلند آواز میں جواب نہیں دیا۔

ایک مرتبہ آپ نے سنا کہ حضورؐ خدا سے دعا کرتے ہیں کہ

"اے خدا میں تجھ سے توفیق چاہتا ہوں نیکیوں کے کرنے برائیوں کے چھوڑنے کی اور غریبوں کے ساتھ محبت کرنے کی۔"

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْاَلُکَ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَتَرْکَ الْمُنْکَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاکِیْنِ

اس کے بعد آپ ہمیشہ خدا سے یہی دعا کرتی تھیں ہجرت کے بعد آپ کا بہترین مشغلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نصائح سننا اور عورتوں کی محفل میں انہیں سنانا تھا۔ بچپن سے آپ فطرتاً رحم دل اور سخی تھیں مگر مسلمان ہونے کے بعد آپ کا یہ فعل صرف خدا اور رسول اللہؐ کی خوشنودی کے لیے ہوتا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنا اور شوہر کا کھانا تیار کیا کہ ایک یہودی عورت آگئی۔ آپ نے محسوس کیا کہ وہ اور اس کا بچہ بھوکا ہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے اپنے حصے کا کھانا اسے کھلادیا اور جب عبداللہ بن جحش گھر آئے تو بھوک نہ ہونے کا عذر کرکے ان کے حصے کا کھانا انہیں کھلادیا مگر انہیں کسی نہ کسی طرح علم ہوگیا تو وہ خفگی کے انداز میں بولے۔ "زینب! کیا یہ دروغ گوئی نہ تھی۔"

آپ نے جواب دیا: "مجھے کچھ نہیں معلوم میں نے اللہ کی رضا کے لیے ایسا کیا تھا۔"

اس کے کچھ عرصے بعد جنگ اُحد میں ان کے محبوب شوہر حضرت عبداللہ بن جحش شہید ہوگئے۔ آپ اس وقت بالکل جوان تھیں آپ کو اس کا بے حد رنج ہوا مگر اسے فراموش کرنے کے لیے آپ شب و روز یادِ الٰہی میں مصروف رہنے لگیں۔ یہ زمانہ آپ کے لیے بڑی عسرت کا زمانہ تھا مگر سخاوت جو کوٹ کوٹ کر فطرت میں بھری ہوئی تھی۔ غربت سے دب نہ سکی، بارہا ایسا ہوتا تھا کہ کھانا یا استعمال کی دیگر اشیاء آپ کو کئی کئی دن بعد نصیب ہوتیں۔ تب ہی کسی دوسرے کی ضرورت سامنے آجاتی تو آپ اپنی پروانہ کرتیں۔ اور جو کچھ ہوتا اسے عطا کردیتیں پھر کئی کئی وقت کھانا نہ ملتا

مگر آپ محسوس نہ کرتیں یہی حالت تھی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ سے نکاح پر آمادہ کر دیا۔ جب آپ کو علوم ہوا تو متعجب ہوئیں کیوں کہ آپ کے خیال میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نکاح کی ضرورت نہ تھی اور حضرت عائشہؓ و حضرت حفصہ جیسی بیویاں موجود تھیں مگر آپ کا تعجب اس نکاح میں رکاوٹ نہ بن سکا کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت کے لیے نکاح نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ وہ ایک نبی تھے ایسے نبی جو مسکین اور بے نوا، محتاج و ناتواں انسانوں کا سہارا اور غمزدہ لوگوں کے لیے مونس و غم خوار بن کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ حضرت زینبؓ کم عمری ہی میں اپنا رفیق حیات اپنا سہارا کھو چکی تھیں اور وہ اپنی حاجتیں کہنے کی عادی نہ تھیں اور قناعت پسند و صابر تھیں۔ مگر حضورِ پُر نورؐ کی نظریں دیکھ رہی تھیں کہ وہ تلاطم زیست میں سرگرداں و پریشان ہیں انہیں شہیدِ راہ حق کی مجبور و بے بس بیوہ کو سہارا دینا بھی مقصود تھا اور عقد بیوگاں کی اہمیت کو بار بار واضح کرنا بھی چنانچہ یہ نکاح ہوا اور اُم المساکین حضرت زینبؓ اُم المومنین بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آگئیں۔ یہ تعلق ایسا اور مقام اس درجہ بلند تھا کہ حضرت زینب کی بیوگی کا صدمہ زائل ہو گیا۔ لیکن آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے صرف ڈھائی یا تین ماہ چند یوم کی علالت کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عادت و اطوار کو بہت پسند کرتے تھے لہٰذا انہی ں ان کی وفات پر بہت ملال ہوا۔ انہوں نے نمازِ جنازہ خود پڑھائی اور خود مشہور قبرستان جنت البقیع میں دفن کیا۔

# بقیہ ایمان کو عزیز رکھنے والے...!

کوئی مناسبت ہی نہیں، یہ قطعی کسی شیطان کا گڑھا ہوا ہے۔

اس وقت اتنے ہوش کہاں تھے، چوٹ اور بڑی سخت چوٹ یک بیک دل ودماغ دونوں پر پڑی اور اندر سے آواز آئی، توبہ، کہ لیجیے کیا دھوکا ہوا ہے، شفقت ولینت، کرم ورحمت کے سارے قصے بے اصل نکلے، حقیقت تو اب جا کر کھلی! فرنگیت سے مرعوب ذہنیت اس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ خود اس فوٹو میں کوئی جعل سازی ہو سکتی ہے اور صاحب کی بات بھی کوئی غلط ہو سکتی ہے، تحقیق تو ہو نہ ہو وہی ہے جو اس فوٹو سے عیاں ہے!" (صفحہ نمبر:632-732)

بالکل اسی طرح جس طرح آج مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ تحقیق تو ہو نہ ہو وہی ہے جو گوگل سے مل رہی ہے، اس سے انکار نہیں کہ انٹرنیٹ سے بہت قیمتی معلومات بڑی آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں، لیکن وہی تحقیق کا مرجع اور پیمانہ ہے، یہ بات حقیقت سے دور ہے اور بعض دانش وروں کی رائے کے مطابق اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں، یہ دجل اور مکر وفریب سے ابلتے ہوئے زہر کا سمندر ہے، جس پر حقیقت کے چند قطروں کی جھاگ ہے، جس کی بہت نشانیاں دیکھیں اور چند ہفتوں پہلے ہی ہزاروں مسلمانوں کے فیس بک اکاونٹ سے ان ظالموں کی تائید بھی خود بخود ہو گئی، جن کا وہ نام لینا بھی گوارا نہیں کرتے۔

کیا اب بھی اس حقیقت پر شبہ ہے کہ جس ٹیکنالوجی کی مہارت کے بل بوتے پر ہم انھیں شکست دینا چاہتے ہیں، اس کی پوری لگام انہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ اس کا اتنا ہی حصہ ہمیں تھمائیں گے جس سے ان کا کوئی ضرر نہ ہو۔ کام یابی کا زینہ اور فتح کا راستہ صرف اللہ تعالی کے احکام اور نبی ﷺ کی سنت ہیں اور اس کو ان لوگوں سے سیکھا جائے جن کی زندگی سنت کے قریب ہو اور قرآن وحدیث کے علم میں مشغول ہوں۔

اس کے بعد موصوف پر آخری ضرب لگی جس نے بالکل ملحد بنا چھوڑا۔ اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے، آمین! اس کا قصہ بھی انہی کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں:

"اسلام اور ایمان سے برگشتہ کرنے اور صاف وصریح ارتداد کی طرف لانے میں ملحدوں اور نیم ملحدوں کی تحریریں ہر گز اس درجہ موثر نہیں ہوئیں، جتنی وہ فنی کتابیں ثابت ہوئیں، جو نفسیات کے موضوع پر اہلِ فن کے قلم سے نکلی ہوئی تھیں، بظاہر مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں رکھتی تھیں، نہ نفیًا نہ اثباتًا، اصلی زہر انھیں بظاہر بے ضرر کتابوں کے اندر کھلا ہوا ملا۔ مثلا ایک شخص گزرا ہے ڈاکٹر ماڈ سلی (Maudeseley) اس کی دو موٹی موٹی کتابیں اس زمانے میں خوب شہرت پائے ہوئے تھیں۔

ایک Mental Pathology (عضویات دماغی)

دوسری Mental Pathology (مرضیات دماغی)

اس دوسری کتاب میں اختلالِ دماغی اور امراضِ نفسیاتی کو بیان کرتے کرتے یک بیک وہ بد بخت مثال میں وحی محمدی کو لے آیا اور اسمِ مبارک کی صراحت کے ساتھ ظالم لکھ گیا کہ مصروع شخص کے لیے یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اپنا کوئی بڑا کارنامہ چھوڑ جائے! ایمان کی بنیادیں کھوکھلی تو پہلے ہی ہو چکی تھیں، اب ان کم بخت "ماہرینِ فن" کی زبان سے اس قسم تحقیقات عالیہ سن کر رہا سہا ایمان بھی رخصت ہو گیا اور الحاد وارتداد کی منزل کو پہنچ گئی!" (صفحہ نمبر:240)

مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ بعد میں مشرف بہ ایمان ہوئے اور بہت بڑے علما میں سے بنے، یہ ان کی دیانت اور امانت اور تواضع کی انتہا تھی کہ انھوں نے اپنا یہ دور بھی پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا، جس سے آنے والوں کو عبرت اور تنبیہ ہو۔

مولاناؒ کے دوبارہ ایمان لانے کا قصہ اور دیگر حالات اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ان کی "آپ بیتی" میں دیکھ لے، تاہم میں یہ موضوع ایک جملہ پر ختم کرتا ہوں جو انھوں نے گزشتہ سطور کے بعد لکھا ہے، اس میں ایک تنبیہ فرمائی ہے، جو انتہائی درد مندانہ دل اور تجربہ کار قلم سے نکلی ہوئی ہے، لکھتے ہیں:

"ایمان کو عزیز رکھنے والے، خدا! کے لیے ان تصریحات کو غور سے پڑھیں اور کچھ لمحے سوچیں کہ جس تعلیم کے آتش کدے میں وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو بے تحاشہ جھونک رہے ہیں، وہ انھیں کدھر لے جانے والی ہے!" (صفحہ نمبر:142)

# perfect®

BODY SPRAY

ALL DAY LASTING

MESMERISING • RAVISHING • ATTRACTIVE

perfectairfreshener PFreshener www.se.com.pk info@se.com.pk

# مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

## ختمِ نبوت کی تحریک کی ابتدا کب ہوئی؟

**سوال:** ختمِ نبوت کی تحریک کی ابتدا کب ہوئی؟ آیا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جب جھوٹے مدّعیانِ نبوت نے دعویٰ کیا تھا یا کسی اور دور میں؟

**جواب:** تحریکِ ختمِ نبوت کی ابتدا آنحضرت ﷺ کے ارشاد: "أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" (میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا) سے ہوئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدّعیانِ نبوت کے خلاف جہاد کرکے اس تحریک کو پروان چڑھایا۔

## کیا ختمِ نبوت کا عقیدہ جزوِ ایمان ہے؟

**سوال:** کیا ختمِ نبوت کا عقیدہ مسلمان ہونے کی لازمی شرط اور جزوِ ایمان ہے؟

**جواب:** بلاشبہ ختمِ نبوت کا عقیدہ جزوِ ایمان اور شرطِ اسلام ہے، کیوں کہ جس درجے کے تواتر اور تسلسل سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا، توحید کی دعوت دی، قرآن کریم کو کلام اللہ کی حیثیت سے پیش فرمایا، قیامت، جزا وسزا اور جنت و دوزخ کی خبر دی، نماز، روزہ اور حج وزکوٰۃ وغیرہ کی تعلیم دی، ٹھیک اسی درجے کے تواتر سے ہمیں یہ معلوم ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ "میں خاتم النبیین ہوں، مجھ پر نبوت ورسالت کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں۔" پس جس طرح آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کریم کے مُنزل من اللہ (اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ) ہونے کا عقیدہ "ضروریاتِ دین" میں شامل ہے، اسی طرح ختمِ نبوت کا عقیدہ بھی جزوِ ایمان ہے اور جس طرح آپ ﷺ کی نبوت یا قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کا انکار یا اس میں کوئی تاویل، کفر والحاد ہے، اسی طرح آنحضرت ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا انکار یا اس میں تاویل بھی بلاشبہ کفر والحاد ہے، کیوں کہ یہ عقیدہ قرآن کریم کی نصِّ قطعی، احادیثِ متواترہ اور اجماعِ مسلسل سے ثابت ہے اور اسلامی عقائد پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ختمِ نبوت کا عقیدہ درج کیا گیا ہے۔

اہلِ علم نے قرآن کریم کی قریباً سو آیات کریمہ سے عقیدہ ختمِ نبوت ثابت کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی کتاب "ختمِ نبوت کامل"

## پاکستانی آئین کے مطابق کسی کو مصلح یا مجدد ماننے کا حکم

**سوال:** آپ کے اور میرے علم کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے، لیکن پاکستانی آئین کے مطابق، جو بھٹو دور میں بنا تھا، آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی مصلح، کوئی مجدّد یا کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اگر کوئی شخص اس بات پر یقین رکھتا ہے تو وہ غیر مسلم ہے۔ اس لحاظ سے تو میں اور آپ بھی غیر مسلم ہوئے، کیوں کہ آپ نے بعض سوالات کے جوابات میں کہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی تشریف لائیں گے۔ برائے مہربانی اس پر روشنی ڈالیں۔

**جواب:** جناب نے آئینِ پاکستان کی جس دفعہ کا حوالہ دیا ہے، اس کے سمجھنے میں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اور آپ نے اس کو نقل بھی غلط کیا ہے۔ آئین کی دفعہ 260(3) کا پورا متن یہ ہے:

"جو شخص محمد ﷺ (جو آخری نبی ہیں) کے خاتم النبیین ہونے پر قطعی اور غیر مشروط طور پر ایمان نہیں رکھتا یا جو شخص محمد ﷺ کے بعد کسی بھی مفہوم میں یا کسی بھی قسم کا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے یا جو شخص کسی ایسے مدّعی کو نبی یا دینی مصلح تسلیم کرتا ہے، وہ آئین یا قانون کی اغراض کے لیے مسلمان نہیں ہے۔" آئین کی اس دفعہ میں ایک ایسے شخص کو غیر مسلم کہا گیا ہے جو آنحضرت ﷺ کے بعد نبوت جاری ہونے کا قائل ہو یا آپ ﷺ کے بعد نبوت کے حصول کا مدّعی ہو یا ایسے مدّعیٔ نبوت کو اپنا دینی پیشوا تسلیم کرتا ہو۔

حضرت مہدی رضی اللہ عنہ نبی نہیں ہوں گے، نہ نبوت کا دعویٰ کریں گے اور نہ کوئی ان کو نبی مانتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلاشبہ نبی ہیں، مگر ان کو نبوت آنحضرت ﷺ کے بعد نہیں ملی، بلکہ آپ ﷺ سے چھ سو سال پہلے مل چکی ہے۔ مسلمان ان کی تشریف آوری کے بعد ان کی نبوت پر ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ مسلمانوں کا ان کی نبوت پر پہلے سے ایمان ہے، جس طرح حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور دیگر انبیائے کرام کی نبوت پر ایمان ہے (علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات) اس لیے آئینِ پاکستان کی اس دفعہ کا اطلاق نہ تو حضرت مہدی رضی اللہ عنہ پر ہوتا ہے، کیوں کہ وہ مدّعیٔ نبوت نہیں ہوں گے، نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوتا ہے، کیوں کہ ان کی نبوت آنحضرت ﷺ سے پہلے کی ہے نہ کہ بعد کی اور نہ ان مسلمانوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جو ان حضرات کی تشریف آوری کے قائل ہیں۔

اس دفعہ کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے بعد حاصل ہونے والی نبوت کا دعویٰ کیا اور لوگوں کو اس نئی نبوت پر ایمان لانے کی دعوت دی، نیز اس کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جنہوں نے ایسے لوگوں کو اپنا دینی مصلح اور پیشوا تسلیم کیا اور ان کی جماعت میں داخل ہوئے۔

## حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور کب ہوگا؟

**سوال:** امام مہدی رضی اللہ عنہ کا ظہور کب ہوگا اور آپ کہاں پیدا ہوں گے اور کتنا عرصہ دنیا میں رہیں گے؟

**جواب:** امام مہدی علیہ الرضوان کے ظہور کا کوئی متعین وقت قرآن وحدیث میں نہیں بتایا گیا، یعنی یہ کہ ان کا ظہور کس صدی میں؟ کس سال ہوگا؟ البتہ احادیثِ طیبہ میں بتایا گیا ہے کہ ان کا ظہور قیامت کی ان بڑی علامتوں کی ابتدائی کڑی ہے جو بالکل قربِ قیامت میں ظاہر ہوں گی اور ان کے ظہور کے بعد قیامت کے آنے میں زیادہ وقفہ نہیں ہوگا۔

امام مہدی رضی اللہ عنہ کہاں پیدا ہوں گے؟ اس سلسلے میں حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے ایک روایت منقول ہے کہ مدینہ طیبہ میں ان کی پیدائش وتربیت ہوگی اور بیت المقدس ان کی ہجرت گاہ ہوگی اور مکہ مکرمہ میں ان کی بیعت وخلافت ہوگی۔ روایت وآثار کے مطابق ان کی عمر چالیس سال ہوگی جب ان سے بیعتِ خلافت ہوگی۔ ان کی خلافت کے ساتویں سال کانا دجال نکلے گا، اس کو قتل کرنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہوں گے۔ حضرت مہدی علیہ الرضوان کے دو سال حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گزریں گے اور 49 برس کی عمر میں ان کا وصال ہوگا۔

## کیا تمام مذاہب کے لوگ بخشے جائیں گے؟

سوال: ایک شخص نے یہ کہا کہ کوئی ضروری نہیں کہ قرآن وحدیث کے پابند اشخاص ہی بخشے جائیں گے، بلکہ تمام مذاہب کے لوگوں کی بخشش ہوگی۔ کیا انسانی رواداری، برداشت اور بین المذاہب ہم آہنگی کے نام پر اس طرح کی باتیں کرنا شرعاً ٹھیک ہے؟

جواب: واضح رہے کہ یہ عقیدہ کہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد تمام مذاہب کے لوگوں کی بخشش ہوگی، خالص کفر ہے، کیوں کہ دیگر مذاہب کے جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن مجید میں جابجا تصریحات موجود ہیں کہ ان کی بخشش نہیں ہوگی۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو مانتا ہو، وہ یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتا کہ تمام مذاہب کے لوگ بخشے جائیں گے۔

## دجال کا خروج اور اس کے فتنہ وفساد کی تفصیل

سوال: دجال کی سواری (گدھے) کا حلیہ کیسا ہوگا؟ احادیث کی روشنی میں اس کی وضاحت مطلوب ہے، نیز کانا دجال جو اس پر سواری کرے گا، اس کا حلیہ کیا ہوگا؟

جواب: واضح رہے کہ دجال کے گدھے کا حلیہ احادیث میں زیادہ تفصیل سے نہیں ملتا، مسند احمد اور مستدرک حاکم کی حدیث میں صرف اتنا ذکر ہے کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان کا فاصلہ چالیس ہاتھ ہوگا اور مشکوٰۃ شریف میں بیہقی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہوگا۔

دجال کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، جن میں اس کے حلیہ، اس کے دعویٰ اور اس کے فتنہ وفساد پھیلانے کی تفصیل ذکر کی گئی ہے، چند احادیث کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1: رنگ سرخ، جسم بھاری بھرکم، قد پستہ، سر کے بال نہایت خمیدہ اُلجھے ہوئے، ایک آنکھ بالکل سپاٹ، دوسری عیب دار، پیشانی پر "ک، ف، ر" یعنی "کافر" کا لفظ لکھا ہوگا، جسے ہر پڑھا لکھا اور اَن پڑھ مومن پڑھ سکے گا۔

2: پہلے نبوت کا دعویٰ کرے گا اور پھر خدائی کا مدعی ہوگا۔

3: اس کا ابتدائی خروج اصفہان خراسان سے ہوگا اور عراق وشام کے درمیان راستے میں اعلانیہ دعوت دے گا۔

4: گدھے پر سوار ہوگا، ستر ہزار یہودی اس کی فوج میں ہوں گے۔

5: آندھی کی طرح چلے گا اور مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور بیت المقدس کے علاوہ ساری زمین میں گھومے پھرے گا۔

6: مدینہ میں جانے کی غرض سے اُحد پہاڑ کے پیچھے ڈیرہ ڈالے گا، مگر فرشتے اسے مدینہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، وہاں سے ملک شام کا رُخ کرے گا اور وہاں جا کر ہلاک ہوگا۔

7: اس دوران مدینہ طیبہ میں تین زلزلے آئیں گے اور مدینہ طیبہ میں جتنے منافق ہوں گے، وہ گھبرا کر باہر نکلیں گے اور دجال سے جا ملیں گے۔

8: دجال جب بیت المقدس کے قریب پہنچے گا تو اہلِ اسلام اس کے مقابلے میں نکلیں گے اور دجال کی فوج ان کا محاصرہ کرلے گی۔

9: مسلمان بیت المقدس میں محصور ہو جائیں گے اور اس محاصرے میں ان کو سخت ابتلا پیش آئے گا۔

10: ایک دن صبح کے وقت آواز آئے گی: "تمہارے پاس مدد آ پہنچی!" مسلمان یہ آواز سن کر کہیں گے کہ مدد کہاں سے آسکتی ہے؟ یہ کسی پیٹ بھرے کی آواز ہے۔

11: عین اس وقت جبکہ فجر کی نماز کی اقامت ہو چکی ہوگی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس کے شرقی منارہ کے پاس نزول فرمائیں گے۔

12: ان کی تشریف آوری پر امام مہدی رضی اللہ عنہ (جو مصلے پر جا چکے ہوں گے) پیچھے ہٹ جائیں گے اور ان سے امامت کی درخواست کریں گے، مگر آپ امام مہدی کو حکم فرمائیں گے کہ نماز پڑھائیں، کیوں کہ اس نماز کی اقامت آپ کے لیے ہوئی ہے۔

13: نماز سے فارغ ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دروازہ کھولنے کا حکم دیں گے، آپ کے ہاتھ میں اس وقت ایک چھوٹا سا نیزہ ہوگا، دجال آپ کو دیکھتے ہی اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ آپ اس سے فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے میری ایک ضرب تیرے لیے لکھ رکھی ہے، جس سے تو بچ نہیں سکتا۔ دجال بھاگنے لگے گا، مگر آپ "بابِ لُد" کے پاس اس کو جالیں گے اور نیزے سے اس کو ہلاک کردیں گے اور اس کا نیزے پر لگا ہوا خون مسلمانوں کو دکھائیں گے۔

14: اس وقت اہلِ اسلام اور دجال کی فوج میں مقابلہ ہوگا، دجالی فوج تہہ تیغ ہو جائے گی اور شجر وحجر پکار اٹھیں گے کہ "اے مومن! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اس کو قتل کر!" یہ دجال کا مختصر سا احوال ہے، احادیث میں اس کی بہت تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں۔

## "مایوسی کفر ہے" سے کیا مراد ہے؟

سوال: مذہب اسلام میں مایوسی کفر ہے، ہم نے ایسا سنا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بیماری کا علاج پیدا کیا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کچھ بیماریوں کے علاج کا علم ڈاکٹروں کے پاس بھی نہیں ہوتا۔ ایک ایسا مریض جس کو ڈاکٹر لاعلاج قرار دیں تو ظاہر ہے وہ پھر مایوس ہو جائے گا تو اس کی مایوسی کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

جواب: واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کفر ہے، صحت سے مایوسی کفر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے واقعی ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے، مگر موت کا کوئی علاج نہیں، اب ظاہر ہے کہ مرض الموت تو لاعلاج ہی ہوگا۔

# امراض واحتیاط
# پتے کی بیماریاں

حکیم شمیم احمد

## پتے کی خاصیت

یہ ایک تنگ منہ والی تھیلی ہوتی ہے۔اس کی جسامت اور شکل ناشپاتی کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ جگر کے دائیں حصہ میں نویں پسلی کے عقب میں واقع ہوتا ہے۔اس میں پت/صفرا یکجا ہوتا رہتا ہے، جگر سے جو پت کا اخراج ہوتا اس کا کچھ حصہ پتے میں جمع ہو جاتا ہے۔ یہاں یکجا ہونے والی پت کو جو رقیق ہوتا ہے، دس گناہ گاڑھا کر دیتا ہے۔ میٹابولزم (نظامِ ہضم) کے دوران چربیلی غذا معدہ سے چھوٹی آنت میں ہاضمے کے لیے آتی ہے۔اس قدرتی دباؤ کی وجہ سے پتا سکڑ جاتا ہے۔اس عمل سے پتے سے پت نکل کر پتے کی عام رگوں کے ذریعے چھوٹی آنت میں آجاتی ہے، یوں وہ چھوٹی آنت میں موجود چربی کو تحلیل کرکے ہضم کرنے کے قابل بناتا ہے۔ پتے میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ پھیلاؤ اور سکڑن سے ضرورت کے مطابق پت کا اخراج آنت میں کرتا ہے۔

## پتے میں پتھری

پتے میں چھوٹی چھوٹی پتھریاں کیسے بنتی ہیں؟ اس سلسلے میں تحقیق کی گئی ہے یہ کیلشیم اور کولیس ٹرول سے مل کر بنتی ہے۔ جگر سے جو پت پتے میں جمع ہوتا ہے، پتا اس میں سے کولیسٹرول اور معدنیات، نمک قبول کرلیتا ہے، لیکن بیمار پتا صرف پت قبول کرتا ہے، یوں کولیسٹرول پتھری کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ ایسے مریضوں کو چکنائی والی غذائیں کھانے سے پیٹ میں درد ہو جاتا ہے۔ یہ مرض ان لوگوں کو زیادہ ہوتا جو جسمانی طور پر فربہ ہوں، ان کے پتے میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔

## غذا اور پرہیز

یرقان کے مریض کے لیے تقویت بخش غذا بہت ضروری ہے۔

1۔ زیادہ تر پھول کا جوس پلایا جائے۔
2۔ مولی کو پتوں کے ساتھ سرسوں کے تیل میں بھجیا بنا کر کھلائی جائے۔
3۔ ایک جگہ پانی میں لیموں کا رس شامل کرکے تھوڑا تھوڑا پلایا جائے اور گنے کا رس بغیر ورک کا استعمال کروایا جائے۔
4۔ گنڈیریاں خوب چوسنے کی تاکید کی جائے۔
5۔ معدہ، بیسن، اڑد، چنا، آلو اور چینی سے تیار کردہ اشیا کا استعمال نہ کروایا جائے۔
6۔ جلن پیدا کرنے والی اشیا مثلاً گرم مصالحے، رائی، تیل، کچالو اور تلی ہوئی چیزوں سے پرہیز کروایا جائے۔
7۔ چاہے اور دودھ کا استعمال بھی کم کیا جائے۔
8۔ گیہوں، مونگ، جو چاول، مسوڑ اور ارہر کی دال کھلائی جائے۔
9۔ ناریل کا پانی پلایا جائے، مصری اور بھونے ہوئے چنوں کا مرقب بہت مفید ہے۔
10۔ ببول کا پھول اور مصری ہم وزن ملا کر سفوف بنالیں، دس گرام کی مقدار میں پانی کے ساتھ پلائیں بہت مفید ہے۔
11۔ ایلوویرا کے گودے کا ایک چمچہ لے کر اس میں دو رتی نوسادر شامل کرکے چند دن استعمال کروائیں، یرقان میں بہت مفید ہے۔

## یرقان/جگر کا ایک خاص مرض

یرقان جسے عام طور پر پیلیا (Jondes) کہتے ہیں۔ جگر میں پیدا ہونے والا ایک رقیق مادہ جسے پت کہتے ہیں۔ یہ جسم کے لیے بے حد مفید ہے، لیکن جگر سے نکلنے والی پت کے مقام پر رکاوٹ آنے کی وجہ سے پت کا کچھ حصہ جگر، آنتوں اور پت کی تھلی میں جانے کے بجائے خون کی رگوں میں پہنچ جاتا ہے۔ پت کا یہی جزیر قان کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ جگر کی خرابی ہے۔ ایسی اشیا اور ادویات کا زیادہ مقدار میں استعمال کرنا جو زہریلی ہوتی ہیں اور جسم جسے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس صورت میں جگر میں سوجن، متلی، قے کرنا اور دستوں کی شکایت ہو جاتی ہے، یہ یرقان کی خاص علامات ہیں، اس کے بعد یرقان پورے جسم میں اپنے پنجے گاڑھ لیتا ہے اور جگر اپنا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے متعلقہ دوسرے اعضا کی سرگرمیوں پر بھی اثر پڑنے لگتا ہے۔

## یرقان کے مریض کے لیے احتیاط

یرقان کے مریض کو صاف ستھرے اور آلودگی سے پاک فضا میں رہائش اختیار کرنی چاہیے۔ جہاں سورج کی شعاعوں کا گزر ہوتا ہو، صبح شام سبزا اور پارک وگارڈن میں سیر و تفریح کرنی چاہیے۔ کھلی ہوا میں بیٹھنا چاہیے۔ کپڑے روزانہ صاف ستھرے پہنے، بستر کی چادر بھی روز تبدیل کی جائے، اگر بخار نہ ہو اور ہمت ہو تو روزانہ غسل کرے۔ یرقان کے مریض کو تیز دھوپ میں جانے اور پیدل چلنے اور بہت محنت کے کاموں سے گریز کرنا چاہیے۔

## پتے کی علامات

1۔ پتے کے مریضوں کو دائیں طرف سے درد شروع ہو کر پچھلی طرف جاتا ہے۔
2۔ زمین سے کوئی چیز اٹھانے میں دِقّت ہوتی ہے۔
3۔ بھوک بند ہو جاتی ہے۔
4۔ منہ سے گیس خارج ہوتی نفس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے، کبھی کبھار 103 ڈگری تک بخار ہو جاتا ہے۔
5۔ ڈاکٹر اکثر مریض کو آپریشن کے ذریعے پتے کو نکال دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ مشورہ تو درست ہے، اس سے تکلیف دور ہو جاتی ہے، لیکن اس سے کئی اور امراض لاحق ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، لہٰذا مناسب یہی ہے کہ آسان علاج کیا جائے۔

**تحقیق:** اس سلسلے میں چائنا میں تحقیق ہوئی ہے۔ خالص زیتون کے تیل میں لیموں کا رس شامل کر کر مریض کو مسلسل پلایا جائے اور چکنائی سے پرہیز کروایا جائے تو پتھری گھل کر ختم ہو جاتی ہے۔ اگر پتے میں اَن گِنت پتھریاں ہوں تو فوراً آپریشن کروالینا چاہیے، ورنہ زیادہ عرصہ پتے میں پتھری رہ کر پتے کو گلا سڑا دے گی اور پتا پھٹنے سے پورے جسم میں زہر پھیل سکتا ہے اور موت واقع ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ اگر پتے کی نالی میں پتھری پھنس جائے تو بھی مریض کو شدّت کی تکلیف ہوتی ہے اور دواؤں سے اس پتھری کا نکلنا دوبھر ہوتا ہے۔ اس میں آپریشن کروانے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

# نقشِ خاتم

امۃ اللہ

اللہ نے دینِ اسلام کو پسند فرمایا اور اسے معتبر دین قرار دیا۔ جیسے کوئی جانے والا وصیت کر جائے کہ میرے بعد اس پر قائم رہنا اور خبردار اس بات سے پھرنا نہیں۔اس طرح عقیدہ ختم نبوت کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایمان والوں کو وصیت فرمادیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”نہیں ہیں محمد (ﷺ) آپ میں سے کسی کے بھی باپ، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔“ حدیث میں ہے کہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرمایا:

اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ

تاجدارِ ختمِ نبوت قصرِ نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ بلاشبہ ہمارا یہ ایمان ہے کہ جنابِ نبی کریم ﷺ اللہ کے آخری پیغمبر ہیں۔ آپ کے بعد جو نبوت کا دعویٰ کرے گا، وہ دجّال اور کذّاب ہے، نبی نہیں ہے۔ عقیدہ ختمِ نبوت پر جذباتی ہونا بالکل لازم ہے۔ اسلامی عقائد کا پورا نظام ختمِ نبوت کے عقیدے کے ساتھ وابستہ ہے، اگر یہ عقیدہ نعوذ باللہ کم زور پڑ جائے تو پورا ایمان خطرے میں پڑ سکتا ہے۔ قرآن کی 100 سے زائد آیات اور 210 احادیث سے یہ ثابت کیا گیا ہے۔ اس عقیدے کی حفاظت کے لیے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ اور بعد میں آنے والے ہزاروں مسلمانوں نے اپنی جان و مال، عزت و آبرو کی قربانی دی ہے۔

ختمِ نبوت ہی وہ واحد عقیدہ ہے، جس پر نجات کا مدار اور ایمان کی بنیادیں رکھی ہوئی ہیں اور جو کوئی اس کے علاوہ کی راہ اختیار کرے گا تو اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور اس سے زیادہ کوئی خسارے والا نہ ہوگا۔

عقیدہ ختمِ نبوت کی اہمیت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ حیات میں اسلام کے دفاع کے لیے لڑی جانے والی جنگوں میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد 259 ہے، جبکہ عقیدہ ختمِ نبوت کے لیے لڑی جانے والی (ایک) جنگ یمامہ میں شہید ہونے والے صحابہ کرامؓ و تابعینؒ کی تعداد 1200 ہے، جن میں سے 700 حفاظ اور عالم تھے۔

لفظ ”ختم“ قرآن میں 7 مرتبہ مذکور ہے، اس کے معنی مہر کے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کسی چیز پر جب مہر لگائی جاتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ اب اندر والی چیز نہ تو باہر آسکتی ہے نہ باہر والی کسی چیز کو اندر داخل کرنے کی گنجائش رہتی ہے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر جتنے بھی انبیا آئے ہیں، ان کا سلسلۂ نبوت جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا، کوئی نبی نہیں آئے گا، اب کسی کی گنجائش نہیں!!!

تمام تر کمالات خصوصیات اعزازات مرتبات اور درجات جنابِ نبی کریم ﷺ کو عطا ہوئے جو اور کسی کو عطا نہ ہوئے، مرتبے کے اعتبار سے بھی ہمارے نبی کو ختمِ نبوت کا شرف حاصل ہے۔ وہ امام الانبیا ہیں، مرجعِ خلائق ہیں۔

کوئی مثل مصطفیٰؐ کا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا
کوئی شہکار ایسا کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

## بقیہ
# امراض واحتیاط
# پتے کی بیماریاں

**قارئین کرام!** اپنے جسم اور صحت کو کھلونا نہ سمجھا جائے۔ دولت کمانے اور اپنا اسٹیٹس اور معیارِ زندگی بنانے کے چکر میں اپنی صحت سے غفلت نہ برتی جائے۔ صحت مند جسم اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اپنے کام اور آرام میں اعتدال رکھنا چاہیے۔ آپ کی جان کا بھی آپ پر حق ہے۔ ہفتے میں ایک دن سیر تفریح اور عزیز داروں سے ملنے کے لیے ضرور وقت نکالنا چاہیے، تاکہ آپ جسمانی اور روحانی اعتبار سے ہمیشہ صحت مند رہیں۔

# صلہ رحمی

آبلہ نور

صلہ رحمی سے مراد ہے اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ اچھے اور بہتر تعلقات قائم کرنا، آپس میں اتفاق و اتحاد سے رہنا، دکھ، درد، خوشی اور غمی میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ چلنا، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ رکھنا، ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا۔ الغرض اپنے رشتے کو اچھی طرح سے نبھانا اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھنا، ان پر احسان کرنا، ان پر صدقہ و خیرات کرنا، اگر مالی حوالے سے تنگ دست اور کم زور ہیں تو ان کی مدد کرنا اور ہر لحاظ سے ان کا خیال رکھنا صلہ رحمی کہلاتا ہے۔

صلہ رحمی میں اپنے والدین، بہن بھائی، بیوی بچے، خالہ پھوپھی، چچا اور ان کی اولادیں وغیرہ یہ سارے رشتہ دار صلہ رحمی میں آتے ہیں۔ اپنے والدین کے دوست احباب جن کے ساتھ ان کے تعلقات ہوں، ان سب کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہیے۔ جب ان رشتے داروں کا خیال نہیں رکھا جائے گا، ان کے حقوق پورے نہیں کیے جائیں گے، ان کی مدد نہیں کی جائے گی تو یہی قطع رحمی کہلاتی ہے۔ یعنی اپنے رشتہ داروں سے ہر قسم کے تعلقات ختم کرنا اور رشتہ داریوں کی حق تلفی سے ڈرو۔۔۔۔ (النساء: 1)

رسول ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہ کرے۔

## صلہ رحمی کی تاکید

اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، یہ

لوگ انہیں جوڑے رکھتے ہیں اور اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور حساب کے برے انجام سے خوف کھاتے ہیں۔ (الرعد: 12) یعنی اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے، انھیں پوری طرح ادا کرتے ہیں۔ ماں، باپ، اولاد، بیوی اور بہن بھائیوں کے حقوق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر لازمی کیے ہیں۔

"اور رشتے دار کو اس کا حق دو، اور مسکین اور مسافر کو ان کا حق اور اپنے مال کو بے ہودہ کاموں میں نہ اڑاؤ۔" (بنی اسرائیل: 62) اس آیت میں اہلِ قرابت اور مسکین کو مالی مدد دینے اور صلہ رحمی کرنے کو ان کا حق فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ دینے والے کو ان پر احسان جتانے کا کوئی موقع نہیں، کیوں کہ ان کا حق اس کے ذمے فرض ہے۔ دینے والا اپنا فرض ادا کر رہا ہے، کسی پر احسان نہیں کر رہا۔

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس فرمان کے تحت جو رشتے دار غریب ہو اور کمانے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے جن رشتہ داروں میں اتنی وسعت ہے کہ وہ اس کی مدد کر سکتے ہیں، ان پر اس کا نفقہ فرض ہے۔

## رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی

"اور تم میں سے جو لوگ اہلِ خیر ہیں اور مالی وسعت رکھتے ہیں، وہ ایسی قسم نہ کھائیں کہ وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کو کچھ نہیں دیں گے اور انھیں چاہیے کہ معافی اور درگزر سے کام لیں۔" (النور: 22)

حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ مہاجر اور مالی طور پر کم زور صحابی تھے۔ وہ حضرت ابو بکر کے رشتے دار تھے، لہٰذا حضرت ابو بکر ان کی مالی مدد فرمایا کرتے تھے۔ جب ان کو پتا چلا کی واقعۂ افک میں مسطح نے بھی حضرت عائشہ کے خلاف ایسی باتیں کی ہیں تو انھوں نے قسم کھالی کہ آیندہ ان کی مالی مدد نہیں کریں گے۔ حضرت مسطح سے غلطی ضرور ہو گئی تھی، لیکن پھر انھوں نے سچے دل سے توبہ بھی کر لی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں متنبہ فرمایا کہ ان کی مالی مدد نہ کرنے کی قسم کھانا ٹھیک نہیں ہے۔ جب انھوں نے توبہ کر لی ہے تو ان کو بھی معاف کر دینا چاہیے، چناں چہ حضرت ابو بکر نے ان کی مالی امداد دوبارہ جاری کر دی، اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور فرمایا کہ آیندہ کبھی اس امداد کو بند نہیں کریں گے۔

## یتیم رشتے دار سے صلہ رحمی

"یا پھر کسی بھوک والے دن میں کھانا کھلا دینا کسی رشتہ دار یتیم کو۔" (البلد: 41-51) یعنی جب کھانا کسی ایسے یتیم کو کھلایا جائے، جس کے ساتھ رشتے داری بھی ہو تو اس میں دوہرا ثواب ملتا ہے۔ ایک بھوکے کا پیٹ بھرنا اور دوسرے رشتے دار کے ساتھ صلہ رحمی اور اس کا حق ادا کرنا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"کسی محتاج کی مدد کرنا صرف صدقہ ہی ہے اور اپنے کسی عزیز کی مدد کرنا دو چیزوں پر مشتمل ہے، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔"

## صلہ رحمی کا تقاضا

"اے پیغمبر! کافروں سے کہہ دو کہ میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی اجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی بھلائی کرے گا، ہم اس کی خاطر اس بھلائی میں مزید خوبی کا اضافہ کر دیں گے۔ یقین جانو! اللہ بہت بخشنے والا بڑا قدر دان ہے۔" (الشوریٰ: 32)

قریشِ مکہ سے آپ ﷺ کی جو رشتے داریاں تھیں، ان کے حوالے سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے ان سے صلہ رحمی کا تقاضا فرمایا اور فرمایا کہ میں تم سے تبلیغ کی کوئی اجرت تو نہیں مانگتا، لیکن کم از کم اتنا تو کرو کہ تم پر میری رشتے داری کے حقوق جو ہیں ان کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو اور میرے راستے میں رکاوٹیں پیدا نہ کرو۔

## والدین کے ساتھ صلہ رحمی

اور تمہارے پروردگار نے یہ حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر والدین میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انھیں اُف تک نہ کہو اور نہ انھیں جھڑ کو بلکہ ان سے عزت کے ساتھ بات کیا کرو اور ان کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنے آپ کو اِن کساری سے جھکاؤ اور یہ دعا کرو کہ یا ربّ! جس طرح انھوں نے میرے بچپن میں مجھے پالا ہے، آپ بھی ان کے ساتھ رحمت کا معاملہ کیجیے (بنی اسرائیل: 32-42)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت ان کی خدمت اور ان کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہے، گویا توحید اور ربوبیتِ الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ، اطاعت والدین کے تقاضے ادا کرنا ضروری ہے۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو خدمت گذار بیٹا اپنے والدین پر رحمت و شفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک حج مقبول کا ثواب پاتا ہے۔''

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔''

رسول ﷺ کا ارشاد ہے: ''باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے، اب تمھیں اختیار ہے کہ اس کی حفاظت کرو یا ضایع کردو۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول ﷺ سے پوچھا کون میرے اچھے حسنِ سلوک کا زیادہ حقدار ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ ﷺ فرمایا: تمہارا باپ۔

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی ماں نے بڑی مشقّت سے اسے پیٹ میں اٹھائے رکھا اور بڑی مشقّت سے اس کو جنا۔ (الاحقاف: 51)

ایمان پر ثابت قدم رہنے کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ انسان اپنے والدین سے اچھا سلوک کرے۔ صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر سے روایت ہے کہ ان کی والدہ بحالتِ کفر مکہ مکرمہ سے اپنی بیٹی اسماء کے لیے کچھ ہدیے لے کر مدینہ پہنچیں، اس نے ان کے تحفے قبول کرنے سے انکار کردیا اور اپنے گھر میں آنے کی بھی اجازت اس وقت تک نہ دی جب تک رسول ﷺ سے دریافت نہ کرلیا۔ غرض حضرت اسماء نے رسول ﷺ سے عرض کیا کہ میری والدہ مجھ سے ملنے آئی ہیں اور وہ کافر ہیں، میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو یعنی ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔

## اہل وعیال پر خرچ کی فضیلت

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک دینار وہ ہے جو تو نے غلام آزاد کرنے میں صرف کیا، ایک دینار وہ ہے جو تو نے مسکین پر صدقہ کیا اور ایک دینار وہ ہے جو تو نے اپنے اہل وعیال پر صرف کیا، ان میں سب سے زیادہ باعث اجر ثواب وہ ہے جو نے اپنے اہل وعیال پر صرف کیا۔

اس حدیث پاک میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ مال صدقات وخیرات کے مصارف اور مدّات ہیں اور ہر ایک مدّ اپنی جگہ درست اور صحیح ہے، لیکن رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے آجرِ آخرت کے اعتبار سے سب سے عظیم نیکی اپنے اہل وعیال کی کفالت اور ان کی حاجت براری ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا گیا: جب انسان برائے رضائے الٰہی اور بہ نیت اجر وثواب اپنے اہل وعیال کی کفالت پر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ انسان اوروں پر تو خرچ کرتا رہے، لیکن اپنے اہل وعیال پر خرچ نہ کرے اور ان کا خرچ روک دے، حدیث میں اس عمل کو گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کسی آدمی کے گناہ گار ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے زیر دستوں کا خرچ روک دے۔

## صلہ رحمی کی برکات

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کا رزق کشادہ کیا جائے، اس کی عمر دراز کی جائے، وہ صلہ رحمی کرے۔

عمر میں زیادتی سے مراد یہ ہے کہ اللّٰہ تعالیٰ عمر میں برکت عطا فرماتا ہے، اسے نیکیوں کی زیادہ سے زیادہ توفیق نصیب ہوتی ہے، اس کا زیادہ زیادہ وقت ایسے کاموں میں صرف ہوتا ہے جو آخرت میں مفید ہوں گے اور وقت بے مقصد کاموں میں ضایع نہ ہو۔ یہ ساری برکات اسے صلہ رحمی کی برکت سے ملتی ہیں۔

ایک شخص نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں عرض کیا: یا رسول اللّٰہ (ﷺ)! رشتے دار ایسے ہیں کہ میں ان سے ملنے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں، مگر وہ تعلق توڑ لیتے ہیں، میں ان کے ساتھ اچھائی کرتا ہوں، مگر وہ اس کا جواب برائی سے دیتے ہیں، میں ان کی زیادتیوں سے درگزر کرتا ہوں، مگر وہ مسلسل میرے ساتھ جہالت آمیز سلوک کرتے ہیں، یہ سن کر رسول ﷺ نے فرمایا: ''اگر تیرا برتاؤ ایسا ہی ہے جیسا تو نے بیان کیا تو تم ان کو گرم ریت کھلا رہے ہو اور تم جب تک اپنی روش پر قائم رہو گے، اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے مقابلے میں تمہارا ایک مددگار رہے گا۔''

## قطع رحمی پر وعید

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

ایک روایت میں ہے کہ بغاوت اور قطع رحمی دو ایسے گناہ ہیں، جن پر دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب دیا جاتا ہے۔ انسانوں کے اعمال ہر جمعرات کو پیش کیے جاتے ہیں، مگر قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔

اسی مناسبت سے آپ ﷺ نے ایک ارشاد میں صلہ رحمی کی تعریف یوں بیان کی:

''صلہ رحمی کرنے والا وہ شخص نہیں جو بدلے میں کرے (یعنی برابر برابری کا معاملہ کرے) لیکن صلہ رحمی کرنے والا شخص تو وہ ہے، جب اس سے قطع تعلق کیا جائے تو وہ تعلق قائم رکھے۔''

## خلاصہ

اللہ تعالیٰ سے محبت کی لازمی شرط یہ ہے کہ اللہ کی مخلوق سے محبت کی جائے۔ صلہ رحمی ہی خدمتِ خلق کا ابتدائی ذریعہ ہے، لہٰذا اللہ کی مخلوق پر شفقت اور رحم کا برتاؤ کرنا چاہیے کیوں کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ محبت نہ ہو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ سچا نہیں ہوسکتا۔

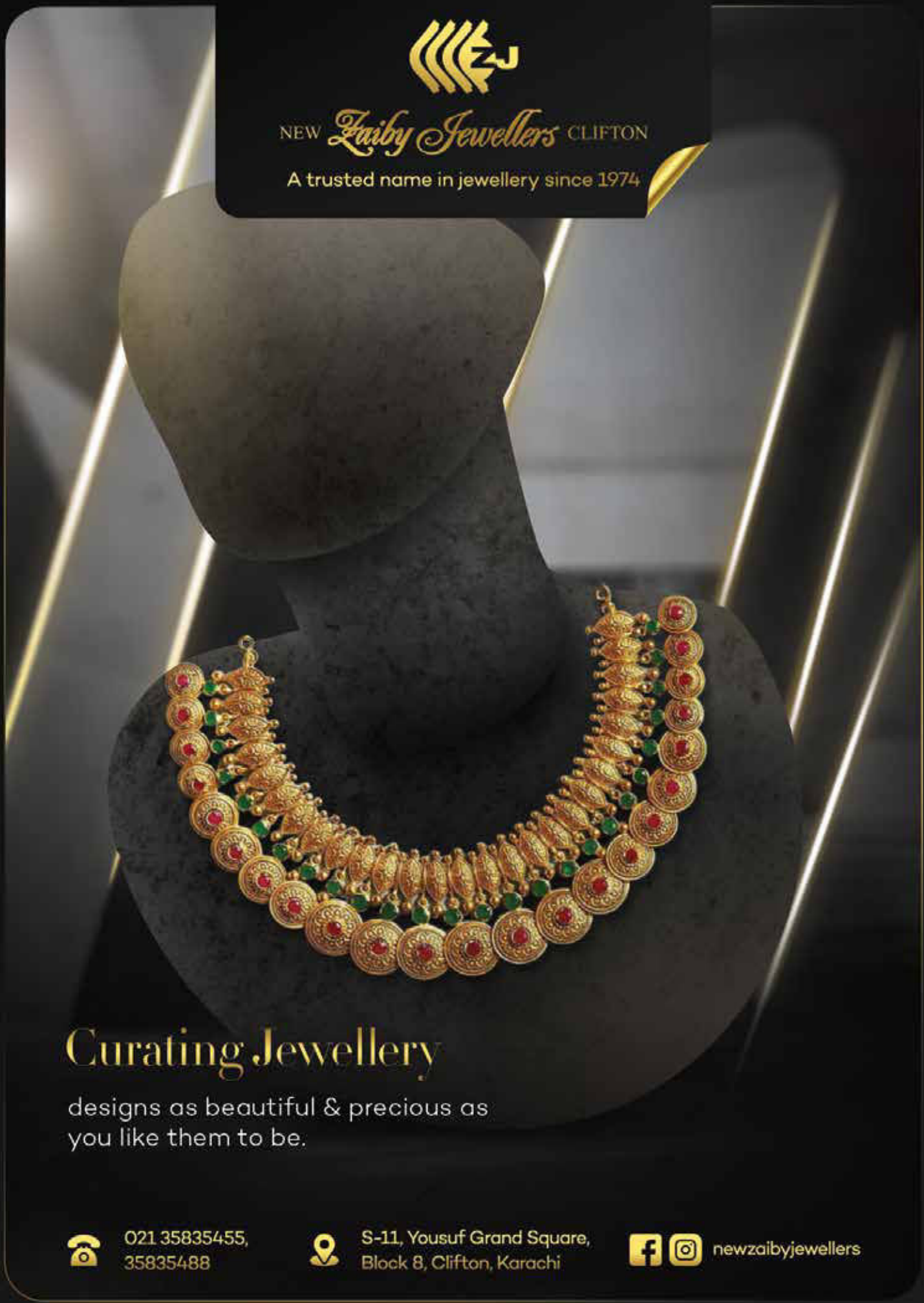

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
Curating Jewellery
designs as beautiful & precious as
you like them to be.
021 35835455,
35835488
S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi
newzaibyjewellers

خواتینِ اسلام

# ادھورا آشیاں

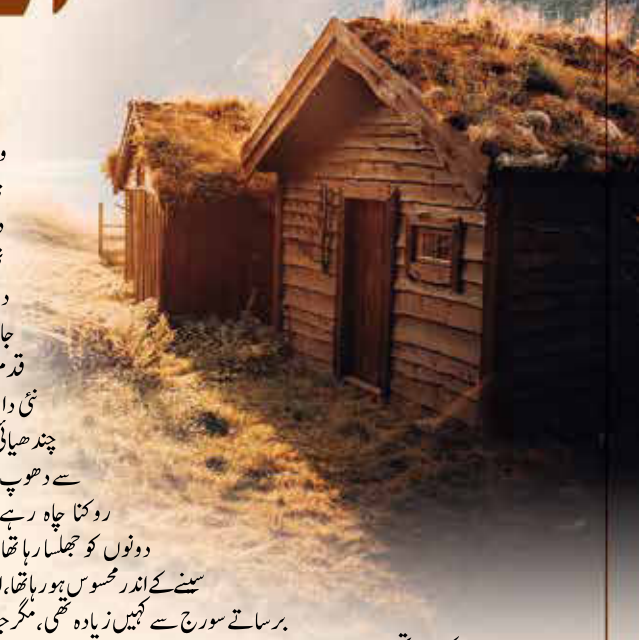

اُمِّ نُسیبہ



وہ دونوں کم زور و ناتواں وجود ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سخت دھوپ میں چلتے جا رہے تھے۔ ہر قدم گویا شکستگی کی نئی داستان سنا رہا تھا۔ چندھیائی ہوئی آنکھوں سے دھوپ کی حدت کو گویا روکنا چاہ رہے تھے۔ تپتا سورج دونوں کو جھلسا رہا تھا، مگر جو دہکتا الاؤ سینے کے اندر محسوس ہو رہا تھا، اس کی تپش آگ برساتے سورج سے کہیں زیادہ تھی، مگر جب تک سانسوں کی ڈور تھی چلنا تو تھا۔۔۔

دونوں اسٹاپ پر پہنچ کر منزل کو جانے والی بس میں سوار ہو گئے۔

"ایسی ہی ایک گرم دوپہر تھی۔" بوڑھے شخص نے تلخی سے سوچا اور بوجھل دل کے ساتھ ماضی کے دریچوں میں جھانکنے لگا۔

***

"بابا۔۔!!! اور کتنا چلنا ہے۔ مجھ سے نہیں چلا جاتا اور پیاس بھی لگ گئی ہے۔" ننھا عامر بولا تو رب نواز نے تڑپ کر بچے کو دیکھا اور اسے گود میں اٹھا لیا۔ میرا شہزادہ کیسے تھکے گا۔۔۔ بابا ہے نا، اپنے بیٹے کو تھکنے نہیں دے گا۔" رب نواز نے پانچ سالہ عامر کے گال کو پیار سے تھپتھپایا تو عامر سے ایک سال چھوٹے عارف کا منہ ہی بن گیا۔ تھک تو میں بھی گیا ہوں۔"

عارف ناراضی سے بولا۔

یہ سن کر زبیدہ نے عارف کو گود میں اٹھا لیا تو عارف خوشی سے کھلکھلا اُٹھا۔

اس روز وہ اپنے چھوٹے سے گھر کو ایک میل کا فاصلہ پیدل طے کر کے پہلی بار دیکھنے کے لیے گئے۔ کچھ قرض اور جمع پونجی سے انوچس نے ترکے میں ملنے والی آبائی زمین میں اس کچے گھروندے کی بنیاد ڈالی تھی۔ اپنے والدین کے اگلے جہان چلے جانے پر رب نواز اور اس کے بھائیوں نے باپ کی میتر و میں موجود تھوڑی سی زمین کا بٹوارا کیا۔ رب نواز نے اپنے حصے کی زمین پر چھوٹے سے گھر کی بنیاد ڈالنے کی ٹھانی۔ کتنی ہی بچت اور خواہشات سے صرفِ نظر کر کے انہیں ابھی دفتر سے گھر کی تعمیر کے سلسلے میں لیا گیا قرض اتارنا تھا، مگر ایک عجیب سی سرشاری تھی۔ ایک اطمنان تھا کہ انہوں نے اللہ کے کرم سے اپنے بچوں کو چھت فراہم کر دی ہے۔ آشیانہ کچا ہی سہی مگر اس کو آباد رکھنے کے ارادے نہایت مضبوط تھے۔ وہ حقیقت میں ان کے لیے خوابوں کا تاج محل تھا، جہاں وہ میاں بیوی اور ان کے دونوں بیٹے تھے۔

***

بوڑھے نے ماضی کے بند کواڑوں میں سے مزید ایک کواڑ کھولا جہاں سے خوب صورت سی یاد نے اداس آنکھوں سے جھانکنے کی کوشش کی۔

"عامر بیٹا! اماں اور بابا میں سے کون زیادہ اچھا ہے؟"

رب نواز نے پوچھا۔

"ارے بھئی کیوں پریشان کر رہے ہیں میرے بیٹے کو۔" زبیدہ مصنوعی خفگی سے بولیں۔

"دونوں۔" عامر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو زبیدہ اس کے صدقے واری ہو گئیں۔

"یہ سیاسی جواب ہے بھئی!!! اچھا یہ بتاؤ اگر اماں اور بابا میں سے کسی ایک کے ساتھ رہنا پڑے تو عامر کس کے ساتھ رہے گا؟" رب نواز نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

ابھی عامر حیران حیران سا کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ زبیدہ بے قرار ہو کر فوراً بولیں: "عامر کے بابا۔۔!!! کیوں دل دہلا رہے ہو میرا؟ ایسی باتیں مذاق میں بھی نہیں کہتے۔ خدا کسی کی اولاد کو ایسا دن نہ دکھائے جب اسے ماں یا باپ میں سے کسی ایک کو چُننا پڑے۔"

***

مزید کچھ یاد کرنے کی ہمت تھی اور نہ ہی حوصلہ تھا، مگر باتیں تھیں کہ ٹوٹی مالا کی مانند ایک ایک کر کے ذہن کی اسکرین پر گرتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ اس نے چہرے پر بہتے پسینے کو شانے پر لٹکتے رومال سے صاف کیا تو ادراک ہوا کہ پسینے میں آنسوؤں کی آمیزش بھی شامل ہے۔ اس نے ساتھ بیٹھی ہم سفر سے نظریں چرانے کی کوشش کی جو پہلے ہی اس سے نظریں چرائے بیٹھی تھی۔

"بابا مجھے دفتر کی طرف سے بنگلا ملا ہے۔ اب ہم وہیں رہیں گے۔" عامر نے رب نواز کو پر جوش انداز میں کہا۔

بند باندھنے کے باوجود ماضی کی ایک یاد یادوں کی پٹاری سے باہر سر اُبھارنے میں کام یاب ہو گئی تھی۔

باپ کے قد سے نکلتے ہوئے دونوں لختِ جگر! خوب صورت، پڑھے لکھے گویا ماں باپ نے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر پالا ہو۔ واقعی، بات بھی ایسی ہی تھا۔ رب نواز اور زبیدہ نے انہیں ر اپنے تئیں سہولیات فراہم کرنے میں کسی قسم کی کمی نہیں کی تھی۔ خود روکھی سوکھی کھا کر انہیں ی تازہ ہی کھلایا۔ سالوں ان کی پڑھائی کی مد میں لیا گیا قرضہ پھیرا، مگر انہیں کسی کمی و محرومی کا احساس تک نہ ہونے دیا تھا۔

"مگر بیٹا۔۔ ہم اپنا گھر چھوڑ کر کیسے جائیں گے؟" رب نواز نے اچھنبے سے پوچھا۔

"بابا! کیا ساری عمر اسی گھر میں رہنا ضروری ہے؟ اللہ نے موقع دیا ہے تو ہم ضرور جائیں گے۔" عامر بولا۔

"جہاں ہمارے بچوں کی خوشی ہوگی، ہم وہیں جائیں گے۔"

زبیدہ نے مسکرا کر کہا تو عامر نے ماں کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

اور اس دن نہ چاہتے ہوئے بھی رب نواز اور زبیدہ کو اپنا چھوٹا سا آشیانہ چھوڑ کر بڑے سے گھر میں آنا پڑا۔ خونِ جگر سے سینچے ہوئے اس گھروندے کو تالا لگاتے ہوئے ہاتھ کپکپایا تھا۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ شروع شروع میں دل تھا کہ لگنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا، مگر آہستہ آہستہ زندگی معمول پر آتی گئی۔ دونوں بیٹے اپنی اپنی زندگیوں میں کامیاب ہوتے جا رہے تھے۔ پھر خدا نے انہیں وہ دن بھی دکھایا جب انہوں نے نہایت ارمانوں اور دھوم دھام سے عامر کی شادی کی۔ گھر کی خوشیاں دوبالا ہو گئی تھیں۔ کچھ عرصے بعد عارف کی بھی اچھی نوکری ملنے کے بعد شادی کر دی۔ چند سال مزید بیتے۔ پہلا دھچکا اس وقت لگا جب عارف نے اپنی بیوی کے ساتھ الگ گھر میں منتقل ہونے کی خواہش ظاہر کی۔

"م۔۔م مگر ہماری تو خوشی اس بات میں ہے کہ ہم سب ساتھ رہیں۔" رب نواز کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"بابا! یہ ممکن نہیں اب۔ میری نجی زندگی ساتھ رہنے سے متاثر ہو رہی ہے۔ اب ہم دونوں ہی بال بچوں والے ہیں اور دفتر بھی میرا دور ہے یہاں سے، لہٰذا آپ مجھے نہ روکیں، بلکہ آپ دونوں بھی میرے ساتھ چلیں۔" آخری جملہ قدرے آہستگی سے کہا گیا تھا۔

"عامر کے بابا۔۔!!! عارف ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔ ہم نے شروع سے ہی بچوں کی خوشیوں اور آسانیوں کو مدِّ نظر رکھا ہے اور اب بھی یہی کریں گے۔"

زبیدہ نے رب نواز نے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا، مگر اسے واضح طور پر زبیدہ کے ہاتھوں کی لرزش محسوس ہوئی تھی۔

وقت کا پہیہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ رواں دواں تھا۔ انداز و اطوار اور رویّوں کی تبدیلی کو محسوس کرتے والدین حُسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے اسے جدید دور کے نرالے تقاضے سمجھے۔ رب نواز اور زبیدہ ایک ماہ عامر کے پاس رہتے اور ایک ماہ پورا ہوتے ہی عارف اپنے والدین کو لینے آجاتا۔ اس بار ایسا ہوا کہ دو مہینے مکمل ہونے کو تھے، مگر عارف والدین کو لینے نہ آیا۔ فون پر تو ہر دو تین روز بعد بات ہو ہی جاتی تھی، مگر رب نواز نے نہ آنے کی وجہ نہ پوچھی گمان تھا کہ مصروفیت کے باعث نہیں آسکا ہوگا۔

بقیہ صفحہ 23 پر

تیسری قسط

# تیری راہ میں

زینب گوہر

اگرچہ منزل ابھی دور تھی مگر لکشمی پرامید تھی۔اس کے سسرال میں حد سے بڑھی ہوئی جہالت تھی، ہر روز نیا بت تلاش کر لیتے تھے وہ لیکن سنیل (لکشمی کا شوہر) ان چیزوں میں پیچھے پیچھے تھا اور یہی چیز لکشمی کا حوصلہ بلند کر رہی تھی۔شیلا اس کے لیے دعا بھی کرتی۔اس نے اب سمیہ کے سامنے اپنے مذہب سے بے زاری کھل کر ظاہر کر دی تھی، اور وہ بے حد خوش ہوئی تھی۔اس کے تمام گھر والے بے حد خوش ہوئے تھے۔عافیہ نے تو باقاعدہ فرمائش کی تھی کہ وہ جب بھی کلمہ پڑھے اس کے سامنے ہی پڑھے اسے بے حد خوشی ہو گی۔

فرسٹ ایئر کی مصروفیت کے ساتھ اسلامی کتب کا مطالعہ بھی اس کا مشغلہ بن گیا تھا۔اپنی نصابی کتب میں چھپا چھپا کر اسلامی کتب رکھتی تھی۔جیسے جیسے اسلام کا مطالعہ کر رہی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ سے متعارف ہو رہی تھی اس کے اندر خود بخود اچھی اچھی تبدیلیاں آ رہی تھیں۔جس کو سب محسوس کر رہے تھے۔بد تمیزی کرنا اس نے چھوڑ دیا تھا، دھیما دھیما بولنا، بڑوں کے ساتھ ادب سے پیش آنا، چھوٹوں پر شفقت کرنا یہ اس کی فطرت بن گئی تھی۔سمیہ بھی اس کو چھیڑتی: "شیلا نہیں آئی کافی دن سے!"

"اب شیلا تمہیں کہاں دکھائی دے گی یہ تو عائشہ ھے!" عافیہ پیچھے سے ہانک لگاتی، سمیہ کے گھر والوں نے تو اس کا نام بھی سوچ لیا تھا

***

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

شیلا نے کلمہ ادا کیا تھا، سمیہ کے گھر والے اپنی خوشی بیان نہ کر پا رہے تھے۔سمیہ کی امی فرط جذبات سے رونے لگیں، اس کو زور سے گلے لگا لیا۔

مبارک ہو بیٹا!" پراکاش کو شیلا پر فخر تھا، شیلا کا میرٹ پر میڈیکل میں داخلہ ہوا تھا۔

ابھی کلاسیں شروع ہونے میں وقت تھا، پراکاش نے اس کے ہاسٹل کا بندوبست کر دیا تھا، اسے پڑھائی کے لئے دوسرے شہر جانا تھا داخلہ وہیں ہوا تھا۔وہ اداس تھی، جب کہ سمیہ کا داخلہ اسی شہر میں ہو گیا تھا، وہ سمیہ کی گھرانے سے اس حد تک وابستہ ہو گئی تھی کہ دوری کا سوچ کر ہی کچھ ہو رہا تھا۔

اس کا بھی سمیہ نے حل پیش کیا تھا کہ شیلا اس کے ایک جاننے والے انکل جنکے سی ایم سے تعلقات تھے ان کے پاس جائے تو شاید وہ اسکا ٹرانسفر کرا سکیں۔اور شیلا نے جوش میں ہامی بھری اور اگلی دن ہی ان سے مل آئی تھی۔

اور یہیں اس سے غلطی ہوئی تھی اسے ان کے پاس نہیں جانا چاہیے تھا، کبھی بھی نہیں۔

***

سمیہ کی ایک آنٹی تھیں جنہوں نے شیلا کے اسلام کو پالیا تھا۔

پہلے تو شیلا انسے انکار کرتی رہی لیکن ان کے مسلسل اصرار پر اسے سچ اگلنا پڑا۔

"جی! میں مسلمان ہو گئی ہوں۔" اندر ہی اندر ایک ڈر کنڈلی مارے بیٹھا تھا کہ یہ خاتون کہیں کسے کو کچھ بتا نہ دیں۔

"ماشاء اللہ!" انہوں نے اسے اپنے اندر بھینچ لیا۔ان کا والہانہ پن دیکھ کر اسکی آنکھوں میں آنسو آ گئے، ایک کلمہ نے اسے کتنے پیار کرنے والے عطا کئے تھے! کیا تاثیر تھی اس کلمے میں!

"رونا نہیں!" انہوں نے محبت سے اسے ٹوکا۔

"یہ میرا نمبر ہے جب ضرورت پڑے میں موجود ہوں اور وہ میرا گھر ہے گھر کی طرف اشارہ کیا جو شیلا کی بلڈنگ کے سامنے تھا۔"

میرا پاس آیا کرو جب دل چاہے!

"ڈھیروں مبارک۔"

وہ مٹھی میں نمبر کی پرچی لیے اپنی منزل کی طرف بڑھ گئی۔

***

شیلا تھر تھر کانپ رہی تھی۔آکاش بے دردی سے اس کے نفاست سے سجے کمرے کو ادھیڑ رہا تھا۔

"کہاں ہے وہ کتاب جس نے تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے! بولو!"

"آپ کیا بول رہے ہیں۔۔مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔۔

وہ کمزور لہجے میں بولی۔اس کا دل ڈر کے مارے لرز رہا تھا۔وہ بمشکل اپنی ہکلاہٹ چھپا رہی تھی۔

"بکواس بند کرو!!" آکاش بولا نہیں دہاڑا تھا۔

اس کے چھوٹے سے کمرے میں اس کے تمام گھر والے موجود تھے اور اس کو شاکی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"آکاش تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے! مجھے اپنی بیٹی پر یقین ہے" پراکاش اس کی اٹھا پٹخ کو دیکھ کر ناگواری سے بولے۔ان کے لہجے میں یقین تھا۔پاپا مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔" وہ ان کو یقین دلاتا ایک دم شیلا کی طرف متوجہ ہوا۔

"سیف کھولو!" اس نے رعب سے مطالبہ کیا۔شیلا نے انکار کرنا چاہا مگر اس کے خوں خوار انداز پر سہم کر اسے عمل کرنا پڑا۔

وہ پیچھے ہٹ گئی۔اسے اپنے بہت قریب موت کی آہٹ سنائی دے رہی تھی۔کیوں کہ اس کے سیف میں اس کے مسلمان ہونے کے کاغذات اور قرآن مجید موجود تھا۔اس نے سیف کھولنے پر خود کو کوسا۔

لیکن حیرت کی انتہا نہ رہی جب تھوڑی دیر تلاشی لینے کے بعد آکاش مایوسی سے سیف بند کر کے پلٹتا نظر آیا۔اتنی دور سے شیلا کو قرآن رکھا نظر آ رہا تھا لیکن آکاش کو نظر نہ آیا یہ کیسے ممکن تھا۔۔

اس کے فجر کے الارم پر اس کی آنکھ کھل گئی۔وہ پسینے میں شرابور تھی۔

"تو یہ ایک خواب تھا۔۔

وہ چہرہ صاف کر کے اٹھنے لگی۔اسے آج کل بہت خواب آ رہے تھے۔کبھی وہ خانہ کعبہ کو قریب سے دیکھتی تو کبھی کچھ اور۔۔

اس نے خود کو پر سکون کرتے ہوئے وضو کیا اور نماز میں کھڑی ہو گئی۔

وہ پکی نمازی بن گئی تھی۔شائلہ آنٹی نے جب سے اس کو ایڈریس بتایا تھا وہ انکی طرف جانے لگی تھی۔وہ سمیہ کے خاندان کی طرح اس کو سراہ رہی تھیں۔اس کے مسلمان ہونے کے آفیشل کاغذات بنوانے میں بھی ان کے شوہر نے مدد کی۔ایک کاپی شیلا نے ان کے لاکر میں بھی رکھوائی تھی۔شائلہ آنٹی نے ہی اسے ایک مدرسے کا پتا بتایا جہاں سے وہ ناظرہ پڑھ رہی تھی اور نماز سکھانے کے بعد وہاں کی باجی نے تاکید کی تھی۔"

اب کوئی نماز نہ چھوڑنا، تم مسلمان ہو!

ان کی تنبیہ پر وہ بری طرح ڈر گئی۔سمیہ کے لاکھ اطمینان دلانے کے باوجود شیلا ہر نماز اول وقت میں پڑھنے لگی۔ہاں کمرے میں نماز پڑھنے سے پہلے وہ گھر والوں کا اطمینان کر لیتی تھی، ان حالات میں وہ مزید چوکنا ہو گئی تھی۔یہ عادت اس کی اتنی پختہ ہو گئی کہ وہ گاؤں میں بھی چھپ چھپا کر

نماز پڑھ لیتی تھی۔ ایک مرتبہ سارے کزنز پکنک پر گئے اور مغرب کی اذان ہو گئی۔ یہ ایک صحرا تھا (گاؤں آئے ہوئے تھے) . اس نے وہاں بھی نماز ادا کی۔ یہی حال روزوں کا تھا، اسنے مسلمان ہونے کے بعد رمضان میں پورے روزے رکھے تھے۔ (اسکا جسم بیٹھ بیٹھ کر پڑھنے سے کافی پھیل گیا تھا لہٰذا وہ شدید ڈائٹنگ پر تھی، اس لیے گھر والوں نے زیادہ اعتراض نہ کیا اس کا ایمان یقینا کئی پیدائشی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ تھا۔

***

میڈیکل کی پڑھائی کے ساتھ اس کا اپنے رب سے بھی رابطہ مضبوط تر ہوتا جا رہا تھا۔۔ سمیہ کے انکل نے تاحال ٹرانسفر نہیں کرایا تھا، ہاں بلاتے بلاناغہ تھے بہانے بہانے سے۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ ہاسٹل میں رہ رہی تھی۔ یہاں اسے دین کی مکمل آزادی تھی۔ اسپر وہ وارڈن کی بھی شکر گزار تھی جس نے اسے ایک علاحدہ کمرہ دے دیا تھا ورنہ اس کی رہائش تین ہندو لڑکیوں کے ساتھ تھی۔
ایمان کی خوشبو کو وارڈن نے آسانی سے پالیا تھا۔
اسے اتنے اچھے اچھے مسلمان ملے تھے ابھی تک کہ وہ اس خیال کی قائل ہو گئی کہ تمام مسلمان ایسے ہی شفاف کردار ہوتے ہیں! کاش وہ ذہین لڑکی نیوز چینل دیکھتی ہوتی۔

***

"شیلا! تم آئیں نہیں، سب منتظر ہیں!"
اسے ماں کے لہجے میں عجیب طرح کی بے چینی محسوس ہوئی۔
"جی، میں چند دنوں میں آپ سامنے ہوں گی!"
اس نے محبت سے کہا اور چند باتوں کے بعد فون رکھ دیا۔
اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یہ اب اکثر ہی ہوتا کہ کسی رشتے دار سے بات کرنے کے بعد وہ ضبط کی طنابیں چھوڑ بیٹھتی۔ اس کی منزل صاف تھی یہاں پر اسے یہ خون کے رشتے دور ہوتے صاف دکھائی دے رہے تھے۔ یہ کیفیات غیر اختیاری تھیں، وہ اپنے گھر والوں خاص طور پر پاپا سے بے حد محبت کرتی تھی۔ وہ اداس اداس اپنے بستر پر لیٹ گئی۔
اس نے احتیاطا ایک خفیہ فون لے لیا تھا جس سے وہ اپنے مسلمان خیر خواہوں سے رابطہ کرتی تھی۔ اچھی خاصی نقدی بھی جمع کر لی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے تاکہ مستقل میں ملنے والے طعنوں سے بچ سکے۔ مستقبل کے حالات اسے ابھی سے ہولا رہے تھے۔ سوچوں کی وادیوں میں الجھتے اسے کب نیند آ گئی اسے پتا ہی نہیں چلا۔۔۔۔
وہ اپنے شہر واپس آئی تو ایک سرپرائز اس کا منتظر تھا۔ اس کی دینی کتب جو وہ اپنی نصابی کتب میں وہ چھپا کر گئی تھی وہ غائب تھیں۔ ڈر کے مارے اس کی جان ہوا ہونے لگی۔
وہ کن اٹھیوں سے بار بار سب کے چہروں پر کچھ ٹٹولنے کی کوشش کرتی مگر ناکام رہتی۔ سب معمول کے مطابق بات چیت کر رہے تھے، ان کے چہروں پر کسی انہونی کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہ خود کو مطمئن کرنا چاہتی تھی مگر نہ کر پا رہی تھی۔
اس نے جانے سے پہلے جان بوجھ کر گمشدہ کتب دوبارہ خرید اپنی کتابوں کے ساتھ رکھ دیں۔ اور جب چھٹیوں میں واپس لوٹ کر آئی تو اس کے چہرے پر ایک تاریک سایہ لہرایا۔ تمام کتابیں پھر سے غائب تھیں۔
"یا اللہ!" وہ سر تھام کر بیٹھ گئی۔
اس نے اپنی پریشانی میں غور نہیں کیا کہ وہ اپنا کمرہ لاک کرنا بھول گئی ھے۔

***

"شادی؟ آپ کیا کہہ رہے ہیں!"
اس نے بمشکل اپنی انتہاؤں کو چھوتی ناگواری کو ضبط کرتے ہوئے کہا۔
"ہاں بھئی۔۔" سمیہ کے انکل نے اپنی ٹنڈ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے عاشقانہ انداز میں کہنا شروع کیا۔
"تم پہلی ہی ملاقات میں میرے دل کو بھا گئی تھی۔ اور ان حالات میں تمہیں سہارے کی ضرورت لازمی پڑے گی۔ اس لیے ٹھنڈے دماغ سے غور کرو میری آفر پر۔"
یہ ناممکن ھے!!
وہ بہت عرصے بعد اپنے ازلی تیکھے لہجے میں بولی۔
"رہی بات سہارے کی تو آپ فکر نہ کریں، جس رب کے لئے اتنا سب چھوڑ دیا، وہ حفاظت بھی کرے گا۔"
"سوچ لو، پچھتاؤ گی!"
وہ جاتے جاتے ان کے دھمکی آمیز لہجے پر ٹھٹکی۔ ایک لمحہ رکنے کے بعد وہ تیز قدموں سے چلتی کمرہ عبور کر گئی۔ پیچھے سیٹھی صاحب نے غصے سے تلملاتے ہوئے ٹیبل پر ہاتھ مارا۔
سیٹ پر بیٹھتے ہوئے ان کے تاثرات بدلے، اب غصے کی بجائے ان کے چہرے پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔
"جی بھاٹیہ صاحب کیسے ہیں آپ؟" وہ کسی سے محو گفتگو ہو گئے۔ (جاری ہے)

بقیہ

# ادھورا آشیاں

کہتے ہیں کہ کبھی کبھی لاعلمی بھی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے۔ آج ان کے کانوں نے وہ کچھ سنا کہ اگر ہزاروں برس کی زندگی بھی انہیں مل جاتی تو تب بھی وہ ان باتوں کی تلخی آخری سانس تک محسوس کرتے۔ دل میں اچانک ایسی پھانس چبھتی محسوس ہوئی جو کسی ناسور کا پیش خیمہ ثابت ہونے والی تھی۔
"تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ہم نے اس مہینے "فیملی ٹرپ پلان" کیا ہوا ہے۔ تم بس کل ہی آ جاؤ۔"
عامر کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔
"ہاں، مگر ہمارا شروع سے یہی معاہدہ ہوا تھا کہ اماں بابا ایک ماہ تمہارے گھر اور ایک ماہ میرے گھر رہیں گے۔" عامر کی آواز کچھ بلند ہوئی۔
کمرے کے سامنے سے گزرتے رب نواز کو ادھ کھلے دروازے سے آتی اندر کی آوازوں نے رُکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
"ہاں، مگر عارف میں یہ رسک نہیں لے سکتا کہ اماں ابا کو اپنے گھر پر چھوڑ جاؤں، وہ گھر کی دیکھ بھال نہیں کر سکیں گے۔ ابا اکثر دروازہ کھلا چھوڑ کر باہر نکل جاتے ہیں۔" عامر کی تاویلیں ختم ہونے کا نام لے رہی تھیں، نہ ہی دوسری طرف سے بات کرتا عارف یہاں آنے کو تیار تھا۔
"تمہارے پاس وقت نہیں تو میں خود ایک دو دنوں میں تمہارے پاس چھوڑ جاؤں گا دونوں کو۔" عامر نے کہا اور جلدی سے فون بند کر دیا۔ مبادا عارف انکار ہی نہ کر دے۔ نہ سمجھنے کی کوئی گنجائش نہ رہی تھی کہ ایک اور آتی آواز نے حجتوں کو تمام کر ڈالا۔ "بھئی دو ماہ سے تو سنبھال رہے ہیں ہم۔ اوپر سے انکل کی کھانسی نے پریشان کر دیا ہے۔ بچے ہیں کہ بار بار ان کے قریب جاتے ہیں اور میں بچوں کو ان سے بچا بچا کر بھی تھک گئی ہوں۔" یہ عامر کی بیوی تانیہ کی آواز تھی جو تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ رب نواز مزید کوئی بات سنے بغیر تیزی سے پلٹے تو زبیدہ کو اپنے پیچھے کھڑا پایا۔ "ہمیں بچوں کی خوشی کا خیال رکھنا ہے عامر کے بابا!!"
زبیدہ نے نم آنکھوں سے کہا اور کانپتے لرزتے رب نواز کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا تھا۔
دوپہر میں وہ سب کہیں گھومنے کے لیے نکلے تو رب نواز اور زبیدہ نے خاموشی سے اپنا سامان باندھا اور وہاں سے نکل آئے۔ وہ چھوٹا سا آشیانہ ہی ان کی منزل تھی۔

***

بوڑھے ناتواں رب نواز نے ماضی کی پوٹلی کو بند کرنے کی ناکام کوشش کی اور آنکھیں کھولیں تو محسوس ہوا گویا لمبے اور تھکا دینے والے سفر سے واپسی ہوئی ہو۔ منزل آ چکی تھی۔ چند قدموں کے فاصلے پر ہی ان کا پرانا گھر تھا۔ انہوں نے تالا کھول کر گھر کے اندر قدم رکھا تو محسوس ہوا گویا ادھورے آشیاں نے اپنے ادھورے باسیوں کا سچے دل سے استقبال کیا ہو۔

# عدمِ برداشت کیوں؟؟

عمارہ فہیم

برداشت ایک ایسا لفظ ہے، جس میں سکون، اطمینان اور کچھ حد تک صبر بھی چھپا ہوتا ہے۔ عدم کا مطلب ہے غیر موجود یعنی وہ چیز جو موجود نہ ہو۔ عدم اور برداشت جب یہ دو لفظ ملتے ہیں تو ایک نیا لفظ بنتا ہے، عدمِ برداشت یعنی برداشت نہ ہونا۔ عدمِ برداشت کا نتیجہ غصے کی شکل میں نکلتا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک غصہ فاسد کر دیتا ہے ایمان کو جس طرح ایلوا فاسد کر دیتا ہے شہد کو۔"

"غصہ در اصل اس طبعی کیفیت کا نام ہے جو مزاج کے خلاف پیش آنے والی کسی بات کے ردِّ عمل میں ظاہر ہو، غصے میں انسان کا چہرہ سرخ اور رگیں پھول جاتی ہیں۔" اب یہ عدمِ برداشت کی کیفیت کیوں ہوتی ہے یا غصہ پر کنٹرول کیوں نہیں رہتا؟ اس پر شریعت تو یہی کہتی ہے کہ اپنی ذات کو جب سب سے اوپر سمجھا جائے تو بس اَنا، تکبّر اور ضد میں انسان کچھ بھی کرنے سے باز نہیں آتا۔ سائنس یہ کہتی ہے کہ جب منفی سوچ کو خود پر اختیار دیا جاتا ہے تو منفی مادّوں کی طاقت میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ پوزیٹو مادّوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

"ایک مرتبہ (مفہوم واقعہ) صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو کوئی شخص بازار میں برا بھلا کہہ رہا تھا، کافی دیر خاموشی سے سننے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے بھی جواب دے دیا: کچھ ہی دور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے جواب دینے پر آپ علیہ السلام وہاں سے تشریف لے گئے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ علیہ السلام کے پاس جا کر دریافت کیا:

"اے اللہ کے نبی علیہ السلام! جب وہ شخص مجھے برا بھلا کہہ رہا تھا آپ مسکرا رہے تھے، جیسے ہی میں نے جواب دیا تو آپ وہاں سے تشریف لے آئے، اس کی کیا وجہ ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تک تم خاموش تھے، تمہاری طرف سے ایک فرشتہ جواب دے رہا تھا اور جب تم نے جواب دیا تو فرشتہ وہاں سے چلا گیا اور شیطان آ گیا اور جہاں سے فرشتے چلے جائیں، وہاں ہم کیسے رک سکتے ہیں۔"

"کسی نے برا کہا ہو یا دل دکھایا ہو، اسے معاف کر کے آگے بڑھ جانا بہت بڑا فن ہے۔"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پہلوان وہ نہیں جو پچھاڑ دے، پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔" کیسی پیاری بات کہی ہے نبی علیہ السلام نے کہ اصل پہلوان اور طاقت ور وہی ہے جو غصہ کے وقت خود پر کنٹرول کر سکتا ہو۔

عدمِ برداشت والا رویہ کسی بھی معاشرے میں امن اور اس کی تعمیر و ترقی میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں عدمِ برداشت اور غصہ بڑھتا جا رہا ہے، جس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں، جس میں کورونا وبا کے اثرات، معاشی مشکلات، دولت طاقت یا علم کا غرور، جہالت یا پھر اپنی شخصیت کی تعمیر میں خامیاں ہو سکتی ہیں۔ ذہین سے ذہین اور معقول سے معقول انسان پر جب جذبات کا دورہ پڑتا ہے تو وہ بے وقوف دکھائی دیتا ہے اور یہ جذبات بھی عارضی ہوتے ہیں اور یہ سب اکثر اوقات رشتوں میں بگاڑ کا سبب بن جاتا ہے اور وقت کے گزرنے کے بعد صرف ایک ہی چیز باقی رہ جاتی ہے اور وہ ہے پچھتاوا!!!

عدمِ برداشت و غصہ کے جسمانی و روحانی بھی بے شمار نقصانات ہوتے ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔۔۔

شدید و بے جا غصہ دماغ کی شریانوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔

حکما کا کہنا ہے! غصہ کرنے سے معدے میں ایک قسم کا تیزاب بنتا ہے، جس سے معدے کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔

ہمیں چاہیے کوئی بھی اہم فیصلہ کریں یا کسی سے گفتگو کریں تو جذباتی ہو کر کوئی ایسی بات مت کریں کہ بعد میں معذرت کرنی پڑے۔

ہمارا برا لب و لہجہ کسی کے خوابوں کو کچل سکتا ہے اور کسی کے جذبات کو ٹھیس پہنچا سکتا ہے۔

اپنے آپ پر قابو پانا اور اپنے جذبات پر کنٹرول کرنا بہت بڑی نعمت ہے، جسے یہ نعمت نصیب ہو جائے اسے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور جو اس سے محروم ہو اسے اللہ سے مانگنا چاہیے۔ بعض لوگ مزاح کے نام پر دوسروں کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے رہتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ عمل یا مسلسل نظر انداز کیا جانا عدمِ برداشت اور غصے کا ایک اہم سبب ہے۔

**دانش ور کہتے ہیں:** جس نے صبر اور برداشت سیکھ لی، اس کو کوئی مات نہیں دے سکتا۔۔۔ اور کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے: برداشت بزدلی نہیں بلکہ زندگی کا ایک اہم اصول ہے، جس دل میں قوتِ برداشت ہے، وہ کبھی ہار نہیں سکتا۔" ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کل حیاتِ مبارکہ ہمارے لیے خوب صورت نمونہ ہے۔ آپ علیہ السلام کی زندگی کے ہر پہلو میں ہمارے لیے رہنمائی موجود ہے، بس ضرورت ہے تو اس کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کی۔

ہم جس دن نبوی اخلاق کو سمجھ لیں گے، اس میں بتائے گئے طریقوں کو سیکھ لیں گے، جیسے غصہ کے وقت نبی علیہ السلام نے فرمایا: پانی پی لیں، کھڑے ہیں تو بیٹھ جائیں، بیٹھے ہیں تو کھڑے ہو جائیں، تعوّذ پڑھیں تو زندگی پُر سکون ہو کر عدمِ برداشت جیسی بیماری سے بھی بچ سکتی ہے۔

اس کے علاوہ تازہ ہوا میں سانس لینے، اچھے ماحول میں کچھ وقت گزارنے اور ورزش سے بھی ذہنی دباؤ کم ہوتا ہے اور غصہ، عدمِ برداشت، جیسی بیماریوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔۔۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ کچھ بیماریاں بھی ایسی ہیں جو مزاج میں چڑچڑا پن پیدا کرتی ہیں، جب ایسی کیفیت ہوتی ہے تو برداشت اور تحمل نہیں رہتا، جس کو اس مسئلے کا سامنا ہو اسے چاہیے اللہ سے اپنے لیے اچھے اخلاق اور ضبط و برداشت کی دعا کا معمول بنائے، جس طرح ہم اپنی دوسری حاجات مانگتے ہیں۔ اس طرح پورے اہتمام سے دعائیں کرنی چاہییں کہ غصے سے چھٹکارا ہو جائے۔ چڑچڑا پن دور ہو جائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں غصہ ہمیں اپنے بڑوں سے منتقل ہوا ہے، یعنی جس طرح دوسری چیزیں نسل در نسل منتقل ہوتی ہیں، اسی طرح غصہ بھی منتقل ہوتا ہے، ایسے لوگوں کو بھی اہتمام سے دعائیں کرنی چاہییں۔

# میرے ہم سفر...!

حفصہ محمد فیصل

"ہماری بیگم اب بوڑھی ہو گئی ہیں، تین تین بچے جو ہو گئے۔" سعد کمال نے اپنی ہی بات پر قہقہہ لگاتے ہوئے لطف لیا، لیکن سارہ کے دل پر جو چھریاں چل گئیں وہ کسی کو نہ دکھیں۔

"واقعی بھابھی کچھ خود پر بھی توجہ دیں ورنہ وقت سے پہلے ہی لوگ آپ کو بڑھیا سمجھنے لگیں گے۔" نرمل نے بھی سعد کمال کی بات کو بڑھاوا دیا۔

نرمل سارہ کی سب سے چھوٹی اور نک چڑھی نند تھی، وہ سارہ کی ہر دُکھتی رگ کو پکڑنے کا بہانہ ڈھونڈتی اور آج تو خود اس کے بھائی نے ایسا موضوع چھیڑ دیا تھا، جس سے نرمل نے بھی حظ اٹھایا۔

***

سعد کمال اور سارہ کی شادی کو بیس سال ہو چکے تھے۔ سارہ ابھی سترہ کی ہوئی کہ سعد کمال کا رشتہ آیا اور پھر یہ رشتہ گھر والوں کو ایسا بھایا کہ چٹ منگنی پٹ بیاہ کا معاملہ ٹھہرا نازک سی من موہنی صورت والی سارہ کو جو دیکھتا سعد کمال کی قسمت پر رشک کرتا۔ امینہ کمال تو بہو کی بلائیں لیتی نہ تھکتیں۔ وارفتگی اور محبت کے پنگوڑے میں جھولتے ہوئے پانچ سال گزر گئے۔ سنیف اور ربیعہ ان کی محبت کی نشانی بنے، مگر پھر وقت اور مصروفیت کے نتیجے میں سارہ کی خود پر توجہ کم ہوتی چلی گئی، سعد کمال کا انداز بھی لیا دیا سا ہو گیا تھا۔ سارا دن دفتر میں مغز کھپانے کے بعد شام میں کبھی دوستوں اور کبھی موبائل کے ساتھ وقت گزارنا اسے پسند تھا، گھر اور گھر والوں سے ہلکا پھلکا سا تعلق رکھا ہوا تھا۔ دراصل سارہ نے گھر، بچوں اور باہر کی ضروریات کی ساری ذمہ داری خود پر لے لی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ سعد کمال نے ہر چیز سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ سارہ چوں کہ ٹائم مینیجمنٹ میں کمال رکھتی تھی اور بس اسی خوبی سے سعد کمال نے فائدہ اٹھا لیا تھا، مگر اس وجہ سے دونوں کے درمیان جذباتی اور نفسیاتی تعلق میں نمایاں کمی واقع ہو گئی تھی، اسی درمیان میں مزید پانچ سال گزر گئے۔ بچے بھی باپ کے لیے دیے انداز سے واقف ہو گئے تھے، جس وجہ سے ماں کے تو انتہائی قریب تھے، لیکن باپ سے صرف موقع محل کے لحاظ سے ہی بات چیت کرتے تھے۔

ان سب باتوں کے درمیان اب اکثر سعد کمال، سارہ کی عمر پر چوٹ کرنے لگا تھا، اسے لاپروا، بوڑھی اور سینس لیس کہہ کر تضحیک کرنے لگا تھا۔ سارہ نے شروع میں تو اس بات پر زیادہ توجہ نہیں دی، لیکن جب یہ معاملہ اکثر ہونے لگا خصوصاً سسرالی رشتے داروں کے سامنے تو سارہ کی چھٹی حس نے الارام دینا شروع کر دیا اور آج نرمل کی باتوں نے سارہ کے دل پر کچوکے لگا دیے۔

اگلے دن سارہ نے اپنے مصروفیات میں سے دوپہر کا وقت فارغ کیا اور اپنی سہیلی کے سیلون پہنچ گئی، بالوں کو ریبونڈنگ کروا کر ہلکا سا اسٹکنگ کا ٹچ دیا گیا ساتھ ہی ہربل فیشل کروا کر چہرہ پر پالش کروائی، سارہ نے کئی سالوں بعد خود پر توجہ دی تھی اور یہ تبدیلی اس کے اندر نکھار لا رہی تھی۔

"واقعی نرمل ٹھیک ہی کہہ رہی تھی، میں وقت سے پہلے ہی بڑھاپے کی طرف جا رہی تھی۔" سارہ خود کو سراہتے ہوئے بولی۔

تین گھنٹوں بعد سارہ جب گھر پہنچی تو بچے ماں کی اس تبدیلی پر خوش گوار حیرت کا مظاہرہ کیے بنا نہ رہ سکے۔

"ممی! یو آر لوکنگ گورجیس۔" ربیعہ نے ماں کی کھلے دل سے تعریف کی، مگر خوش فہمی کا یہ محل اس وقت چکنا چور ہو گیا جب شام میں سعد کمال نے سارہ کو سراہنے کے بجائے اسے بوڑھی گھوڑی لال لگام کہہ کر چھیڑا تو سارہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"سعد کمال صاحب آپ کی بھی ٹنڈ اور توند نکل آئی ہے، مجھ پر چوٹ کرنے سے پہلے خود کو بھی آئینے میں ملاحظہ کر لیجے۔" سارہ نے خود پر ضبط کرتے ہوئے سعد کو حقیقت کا روپ دکھایا مگر یہ ساری باتیں تو اس کی مردانگی پر چوٹ کر گئی تھیں اور وہ تن فن کرتا گھر سے باہر نکل گیا۔

***

رات کے دو بج رہے سارہ جلے پاؤں کی بلی بنی بالکونی سے کمرے اور کمرے سے بالکونی کے چکر کاٹ رہی تھی، سعد کمال کا کوئی اتا پتا نہیں تھا۔ فون بھی بند آ رہا تھا۔ کسی رشتے دار کو اطلاع کرنے پر ساری بات گوش گزار کرنی پڑتی اور سب کو ایک چٹکلا مل جاتا تضحیک اڑانے کا۔ سارہ اس وقت کو کوس رہی تھی، جب اس نے سیلون جانے کا ارادہ کیا تھا، جیسا چل رہا تھا وہی ٹھیک تھا، مگر باتیں بھی تو سعد ہی سناتے تھے، وہ بھی دوسروں کے سامنے، اس نے خود سے شکوہ کیا۔

سارہ بالکونی میں کھڑی گزرے ہوئے دن کو سوچ کر ملال کر رہی تھی کہ اچانک انیس سالہ سنیف ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھے تسلی دے رہا تھا، بیٹے کے انداز پر سارہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اسی اثنا میں گاڑی کے ہارن کی آواز گونجی سعد کمال رات کے ڈھائی بجے گھر آ گئے تھے۔

مگر یہ کیا وہ اپنے کمرے میں آنے کے بجائے گیسٹ روم میں چلے گئے۔

سنیف اور سارہ کو اس رویے کی امید نہیں تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے سے ایسے نظریں چرائیں جیسے ان سے کوئی جرم ہو گیا ہو۔

***

اگلی صبح گھر میں عجیب خاموشی کے ساتھ نمودار ہوئی۔ سارہ نے گیسٹ روم کا دروازہ کھٹکھٹانا چاہا تو ربیعہ نے اشارے سے منع کیا، وہ خود باپ کو سمجھانا چاہتی تھی۔

"پاپا اٹھ جایئے، آفس سے لیٹ ہو جائیں گے۔" ربیعہ نے دھیمے لہجے میں گیسٹ روم کا دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔

سعد کمال نے بیٹی کی آواز سن کر "ہمم" میں جواب دے کر

بقیہ صفحہ 26 پر

# حیا

آسیہ عمران

غزوۂ خندق کا معرکہ ہے، مشرکین میں سے دیوہیکل جنگجو عامر بن عبدِہُد مسلمانوں کو للکارتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ مقابلے میں نکل کر اسے مار گراتے ہیں۔ لشکر اسلامی میں سے کوئی ان سے پوچھتا ہے: آپ عامر کی تلوار کیوں نہیں لائے؟ علی رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں: اگر میں اس کی تلوار کھینچتا تو خدشہ تھا کہ اس کا ستر کھل جائے۔ مجھے ایک میت کے برہنہ ہونے سے حیا آئی۔

حیا کسی جنس کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ وہ نور ہے، جس کی آگاہی صاحب کردار کے حصے میں آتی ہے۔ اسلامی تہذیب کی پوری عمارت حیا کے نور سے منور ہے۔ اسی لیے کہا گیا: "جب تجھ میں حیا نہ رہے تو جو جی چاہے کر"

یعنی حیا سے جو نکل جائے، اس کے لیے گم راہی کے راستے پر چلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس وقت جو تہذیب ہمارے گھروں میں ڈیرہ جمائے بیٹھی ہے۔ اس کے تانے بانے مغرب سے ملتے ہیں۔ مغربی تہذیب کی بہت اہم بنیاد بے حیائی اور آوارگی ہے۔ فطرت انسانی کے خلاف ہر کیفیت اور جذبے کو مقام بنانے کے لیے خوش نما لبادے، اچھے عنوانات، اچھے ناموں کے سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سہارا در اصل فریب اور دھوکا ہوتا ہے۔ اندر سے کچھ اور ہوتا ہے باہر سے کچھ اور! آج کل بے حیائی اور بے باکی کو کسی نے اعتماد کا نام دے رکھا ہے اور کوئی اسے فن کہتا سمجھتا ہے۔ کچھ لوگ اس بے حیائی کو آزادی کا اظہار جیسا خوش نام دیتے ہیں۔ سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ مغرب نے اسے فطرت بنا کر پیش کیا ہے۔ اس دجّالی تہذیب کی وجہ مالی مفادات ہیں۔ پوری دنیا سے سرمایہ اکٹھا کرنے کی انڈسٹری بے حیائی پر کھڑی ہے۔ ان کے لیے عورت ایک قابلِ فروخت شے ہے، بلکہ منہ مانگے داموں فروخت ہونے والی شے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر بے حیائی ختم ہو جائے تو پورا مغرب دھڑام سے جا گرے۔ اس لیے کہ اخلاق و کردار تو وہ پہلے ہی کھو چکا ہے۔ اگر معیشت بھی اس کے ہاتھ سے چلی جائے تو اس کے پاس رہے گا ہی کیا!! لہٰذا ملین ہا ملین ڈالر کے خرچ سے خوب صورتی کے حصول کی بیمار نفسیات پیدا کی جاتی ہے۔

مشرقی دولت کا بڑا حصہ بھی عورت کے گورے پن پر خرچ ہوتا ہے۔ کاسمیٹکس کی انڈسٹری نے خوب صورتی میں اضافہ تو نہیں کیا البتہ خوب صورت ہونے کے جنون کو بڑھا دیا ہے۔ فکر، دل و ذہن، اور احساسات و جذبات اور خواہشات کی خوب صورتی جو مشرقی عورت کی علامت تھی۔ آج قابلِ ملامت عمل بن کر رہ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اپنی صنف اس معاملے میں حوصلہ شکنی کرتی نظر آتی ہے۔ اب تو خوب صورتی ممتا جیسے جذبے پر بھی فائق ہو گئی ہے۔

ایک کیفیت جسے "حیا" کہا جاتا ہے۔ ایک ایسا فطری جذبہ ہے، جو ہر مہذّب اور سلیم الفطرت تہذیب کی پہچان رہا ہے۔ انسانی نفسیات نے بے حیائی کو کبھی بھی پسند نہیں کیا اور جو ہر حیا کی حفاظت کی کوشش کی ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کے نیکوکار بندوں میں حیا کا عنصر نمایاں رہا اور جب بھی جس معاشرے نے بھی اسے کھویا، اس سے سب کچھ چھنتا ہی چلا گیا!

تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت اور تعلیمات میں بھی حیا کا جوہر نمایاں رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حیادار تھے۔ آپ ﷺ نے پورے معاشرے میں حیا کا نور پیدا کیا۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں حیاداری کی تربیت و آبیاری کی۔ یہ حیاداری اسلام کے ایک ایک نقش پر پھیلی نظر آتی ہے۔ احادیث میں رب العزت کی طرف بھی حیا کی نسبت ہے کہ اللہ رب العزت جو شخص بوڑھا ہو جائے، اس کی سفید داڑھی سے حیا کرتے ہیں۔

یہ وصف وہ عظیم الشان وصف ہے، جو بے شمار برائیوں کے سامنے ڈھال بن کر کھڑا ہوتا ہے۔ اس اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے ایمان سے جوڑ دیا گیا ہے کہ حیا اور ایمان جڑواں ہیں۔ ایک جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ ہمارا خاندانی نظام حیا کی بنیاد پر اُستوار ہے۔ جہاں بھی حیا رخصت ہوئی خاندانی نظام کو ساتھ لے گئی۔

یہ بات دل چسپ ہو یا نہ لیکن حیرت انگیز اور فکر انگیز ضرور ہے کہ حیا کے لیے انگلش میں کوئی لفظ مستعمل نہیں ہے۔ شرم کے ساتھ ایمان جڑنے سے حیا وجود میں آتی ہے۔ حیا وسیع مفہوم میں زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط کیفیت اور جذبہ ہے۔

حیا کی کمی یا رخصتی سے ایک مومن کی زندگی ناقابلِ برداشت مسائل کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس لیے کہ بے حیائی فتنوں کا دروازہ ہے۔ دنیا میں روشنی مومن کے کردار سے ہے۔

کشتی حق کا زمانے میں سہارا تو ہے
عصر نو رات ہے دھندلا سا ستارا تو ہے

# بقیہ میرے ہم سفر۔۔۔!

گرین سگنل دیا۔

ربیعہ سانس بحال کرتی ڈائننگ ٹیبل پر آئی۔

سارہ نے سب کے لیے ناشتا تیار کر لیا تھا، سعد کمال گیسٹ روم سے نکل کر اپنے روم میں جا چکے تھے۔ بچے بھی کالج کے لیے تیار ہو رہے تھے، اتنے میں سعد کمال نک سک سے تیار ہوئے ڈائننگ ٹیبل کے پاس سے گزر گئے، سارہ نے کچھ کہنا چاہا، مگر سعد موقع دیے بغیر ہی گھر سے نکل گیا۔

***

"بیس سالوں میں ایسا پہلی بار ہوا ہے۔ سچ واقعی تلخ اور کڑوا ہوتا ہے، لیکن اتنے سالوں کے رشتے ایسے پرائے تو نہیں ہوتے۔ مرد اور عورت کو تو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے، سعد ایسے تو نہ تھے، میں نے اپنی زندگی کے بیس سال ان کو دے دیے اور آج یہ مجھے اس موڑ پر لے آئے کہ مجھ سے بات کرنا گوارا نہیں۔" سارہ اپنی ڈائری سے اپنے جذبات شیئر کر رہی تھی۔ ماں باپ اب رہے نہیں تھے، بھائی بہن اپنے جھمیلوں میں مگن تھے، ویسے بھی اپنے اندرونی جذبات کو ہر کسی کے سامنے عیاں کرنے میں اپنی ہی جگ ہنسائی ہوتی ہے۔

***

سعد کمال لیے دیے انداز سے گھر میں رہ رہا تھا۔ سارہ سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا، بچوں سے ایک آدھ بار بات کی، لیکن بچوں نے خود جواب نہیں دیا، وہ ماں سے قریب تھے اور ماں تھی بھی حق پر، اس لیے وہ ماں کے حق کے لیے اتنا احتجاج تو کر ہی سکتے تھے۔ گھر میں عجیب ماحول بن گیا تھا۔ سارہ اس ماحول میں سب سے زیادہ افسردہ تھی۔ اس نے اپنے گھر کو جوڑنے، سجانے اور سنوارنے کے لیے اپنی جوانی کا بڑا حصہ لگا دیا تھا، آج جب ثمر کھانے کا وقت قریب تھا تو درخت نے ہی دھوکا دے دیا تھا۔

***

ڈور بیل کی آواز نے خیالوں میں کھوئی سارہ کو چونکا دیا۔ "کون؟؟"

"پوسٹ مین۔"

"جی یہاں دستخط کر دیجیے۔" سارہ نے دھڑکتے دل اور ان جانے وسوسوں کے ساتھ لفافہ وصول کیا۔ (جاری ہے)

# موسیقی

بنتِ ایوب مریم

اللہ تعالیٰ کی محبت سے دل کے نا آشنا ہونے اور دین کی دوری کے سبب معاشرے میں موسیقی کا رجحان بڑھتا ہے۔ عبادت میں دل نہیں لگتا۔ قرآن پاک کی تلاوت میں حلاوت محسوس نہیں ہوتی۔ گانوں کی محبت سے قرآن پاک دل پر اثر کیے بغیر اوپر سے ہی گزر جاتا ہے۔ ایک دور تھا جب قرآن پاک کی تلاوت، اسلام کے نغمات اور بیانات کیفیت طاری کر دیتے تھے اور ایک آج کا دور ہے کہ صرف گانوں سے وجد آتا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب اللہ کو یاد کرنے سے اطمینانِ قلب نصیب ہوتا تھا، ایک آج کا دور ہے کہ موسیقی سے دل کے چین کا سامان کیا جاتا ہے۔ ایک وقت تھا اللہ و رسول سے محبت و ان کی اطاعت روح کی غذا ہوا کرتی تھی اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ گلوکاروں کا کلام اور ان کا دیدار روح کو تازگی بخشتا ہے۔

موسیقی اللہ سے باغی ہونے اور دور کرنے والی چیز ہے۔ یہ دین سے دوری اور دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔ اس کا عام ہو جانا قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔

موسیقی اللہ سے غافل کرنے والی چیز ہے۔ یہ دل کی جڑوں سے اللہ کی محبت کو کھینچ باہر کرتی ہے۔ گانوں کے سُر میں ڈوبا ہوا دل کائنات کی رمز اور خالقِ کائنات کے محبت بھرے کلام سے نابلد رہتا ہے۔ موسیقی اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب ہے۔ جہاں موسیقی عام ہو جائے، اللہ کی رحمت وہاں سے روٹھ جاتی ہے۔ رحمت کے فرشتے اپنا سامان باندھ لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان باتوں کے خریدار بنتے ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں۔ (لقمان: 6)

موسیقی اللہ کی یاد سے غافل کرتی ہے۔ اللہ کی یاد سے قلب میں نرمی پیدا ہوتی ہے۔ اور اللہ کی یاد سے دوری کے سبب دل میں قساوت جنم لیتی ہے۔ دل سخت ہو جائیں تو نفاق دل میں اپنی جڑیں مضبوط کر لیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ

”راگ و گانا دل میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے، جس طرح پانی کھیتی کو اگاتا ہے۔“

موسیقی کو ناپسند اور گانوں سے انحراف کرنے والے کو قدامت پسند بتایا جاتا ہے، لیکن قدامت پسند تو وہ ہیں جو ابھی تک زمانۂ جاہلیت کی رسموں اور روایات کو زندہ کیے ہوئے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: بُعِثْتُ بِكَسْرِ الْمَزَامِيْرِ

بے شک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے آلاتِ موسیقی توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔

شاعر کہتا ہے:

میں نے دیکھا ہے میوزک میں الجھ کر اکثر
تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض
اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیے

ہمارے ہاں تاویل گھڑی جاتی ہے کہ خوشی کا موقع ہے، خوشی کے موقع پر لطف کی مہر بینڈ، باجوں اور گانوں سے ہی لگائی جاتی ہے۔ اسلام نے خوشی میں خوش ہونے سے منع نہیں فرمایا، لیکن اللہ سے دوستی کے لیے اس دوست کی ناپسندیدہ چیزوں کو چھوڑنا ہی سچی محبت اور دوستی کی علامت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دو آوازیں دنیا و آخرت میں ملعون ہیں۔ خوشی کے وقت گانے کی آواز اور مصیبت کے وقت نوحے کی آواز۔“

گانا اور موسیقی کی آواز دراصل شیطان کی آواز ہے، یہ شیطان کی پکار ہے۔ اللہ سے دوری اور شیطان کے قرب کی علامت ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے، اپنی آواز سے بہکاتا رہ۔ (الاسراء: 46)

موسیقی سے انسان کی روحانیت مغلوب ہو جاتی ہے۔ اللہ کی اطاعت کی لذّت ختم ہوتی ہے۔ انسان اللہ کی حمد و ثنا سے عاری ہو جاتا ہے۔ دل کا رجحان بدل جاتا ہے، نیکی و بدی کی تمیز ختم ہونے لگتی ہے۔

موسیقی ایک وقتی نشہ ہے، جس کی وقتی لذت انسان کو کچھ پل کے لیے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیتی ہے، لیکن دل کا ابدی سکون اور اطمینان اللہ کے ذکر اور اللہ سے دوستی میں ہے۔

# دارعنکبوت

فروا مشتاق

"آخر وہ بغیر بتائے کہاں چلی گئیں۔ کسی کو کچھ تو علم ہو گا نا!!! مغرب کا اندھیرا چھا گیا ہے مگر۔۔۔جب وہ گھر سے نکلیں تو تم لوگوں نے مجھے کیوں نہ بتایا؟" گرج دار آواز نے سب کے اوسان خطا کر دیے۔

گاؤں کو جاتی نہر کے کنارے سفیدے کے درختوں کی طویل قطار تھی۔جب جب نہر پانی سے بھرتی تو گاؤں والوں کے، نہر کے آس پاس موجود تمام کھیت بھی پانی سے بھر جاتے۔ نتیجتاً ساری فصل تباہ ہو جاتی۔ چناں چہ حکومت نے نہر کے ساتھ ساتھ سفیدے کے درخت لگا دیے جو زمین سے زیادہ سے زیادہ پانی لیتے ہیں اور سیم و تھور والی زمین کو زرخیز کر دیتے ہیں۔

یہ گرجدار آواز بھی سفیدے کے ایک درخت سے آ رہی تھی جہاں شہد کی مکھیوں کا چھتا تھا۔ ملکہ مکھی سب مکھیوں پر برہم تھی کیوں کہ قبیلے سے ایک مکھی شام کو لڑ جھگڑ کر باہر نکل گئی اور باقی دونوں بہنوں کو بھی اپنے ساتھ لے گئی تھی۔اب مغرب کا اندھیرا پھیلنے کے باوجود بھی وہ تینوں نہ لوٹیں۔ ملکہ فکر مندی اور غصے سے ٹہل رہی تھی۔ایک مکھی نے دور بین آنکھوں پر لگا کر ارد گرد کے تمام درختوں کا جائزہ لیا، ہمسائی مکڑی سے بھی پوچھا جو ہر وقت مکڑے سے جھگڑا کرتی رہتی تھی مگر بے سود۔ باقیوں کی طرح وہ دونوں بھی لاعلم تھے۔

عشاء کے بعد بینا، ٹینا اور مینا تینوں بہنیں ہنستی، مسکراتی قبیلے میں لوٹیں مگر اندر کا منظر دیکھ کر ان کی سٹی گم ہو گئی۔ سب لوگ ملکہ کے کمرے میں بیٹھے تھے اور ملکہ غصے سے ٹہلتے ہوئے سب پر برس رہی تھی۔ بینا نے آئس کریم والا شاپر جلدی سے کمرے میں رکھا اور خود بھی باقی دونوں کے ساتھ عدالت میں حاضر ہو گئی۔اس کی توقع کے مطابق تو اب تک سب کو سو جانا چاہیے تھا مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم لوگ؟"

ملکہ کی اونچی آواز سن کر ان تینوں کے اوسان خطا ہو گئے۔ اپنے گھر کی دیوار سے جھانکتی مکڑی بھی ایک پل کو لرز گئی۔

"ایک تو یہ ملکہ بھی نا! اپنے آپ کو پتا نہیں سمجھتی کیا ہے؟ پھر کیا ہوا اگر وہ تینوں باہر چلی گئیں۔ بہنیں ہیں آخر کو۔ جا سکتی ہیں۔ ویسے کتنا مزہ آئے اگر ان تینوں کے دو چار لگ ہی جائیں۔ ہاہاہا" مکڑی بڑبڑا کر پھر سے عدالت کا مزہ لینے لگی۔

"کسی کے گھر میں جھانکنا منع ہے۔کب سمجھو گی تم؟" مکڑے نے اسے سرزنش کی۔

"ایک تو تم مجھے جینے نہیں دیتے۔ میری جان کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ میں جو بھی کروں، تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہے؟ کیا میں نے تمہیں کسی کام سے کبھی منع کیا ہے جو تم ہر بار میرے معاملے میں ٹانگ پھنساتے ہو۔ خبردار اگر دوبارہ بولے۔"

مکڑی کی فراٹے بھرتی زبان دیکھ کر مکڑے نے کانوں کو ہاتھ لگائے اور خاموشی سے جالا بننے لگا۔

"ہم معذرت چاہتے ہیں ملکہ۔ ہم گھومنے نکل گئے تھے۔ وقت کا پتا ہی نہ چلا اور رات ہو گئی۔"

"اپنی ماں سے لڑ کر تم باقی دونوں کو ساتھ لیے گھر سے نکلیں اور آدھی رات کو واپس آ رہی ہو۔ جانتی ہو تمہاری ماں کی کیا حالت تھی؟ اگر اسے کچھ ہو جاتا تو؟" ملکہ نے بی مکھی کی طرف دیکھ کر کہا۔

یہ سنتے ہی بینا اور ٹینا دونوں ماں سے لپٹ گئیں مگر بینا وہیں کھڑی رہی۔

"امی نے مجھے ڈانٹا تھا حالاں کہ میں نے اتنا شہد بنایا مگر پھر بھی انہوں نے مجھے ڈانٹا اور مجھے غصہ آ گیا۔" اس نے سر جھکائے جواب دیا۔

"تو شہد بنا کر تم نے کون سا احسان کیا ہے؟ اگر تمہاری ماں نے تمہیں کوئی اور کام کہہ دیا تھا تو جواب میں کیا تم نے بدتمیزی کرنی تھی؟ قبیلے میں رہنے کے لیے ہر مکھی کو اپنے حصے کا کام کرنا ہے اور سردیوں کے لیے شہد جمع کرنا ہے۔ اگر تم لوگ کام نہیں کرو گی اور یوں ماں سے بدتمیزی کر کے باہر نکل جاؤ گی تو سردیاں شروع ہوتے ہی نکھٹو مکھیوں کی طرح تمہیں بھی قبیلہ بدر کر دیا جائے گا۔"

اس بات پر کونے میں دبکی نکھٹو مکھیاں پھوں پھوں کر کے رہ گئیں مگر ملکہ کے سامنے پر مارنے کی جرات نہ ہوئی۔

"اب تمہاری سزا ہے تم دو گھنٹے اضافی کام کرو گی اور تمہارے ساتھ بغیر بتائے جانے کے جرم میں مینا اور ٹینا آدھا گھنٹا اضافی کام کریں گی۔" ملکہ نے حکم صادر کیا۔ قبیلے میں دو طرح کی مکھیاں رہتی تھیں۔

ایک کاریگر مکھیاں جو سارا دن مختلف پھولوں سے رس چوس کر لاتیں اور چھتے میں شہد جمع کرتیں۔ جب کہ دوسری نکھٹو مکھیاں جو سارا دن سستی کی ماری چھتے میں پڑی رہتیں اور کاریگر مکھیوں کا لایا شہد کھاتی رہتیں۔ اور بزرگوں کی کسی بات پر دھیان نہ دیتیں۔ سردیاں شروع ہوتے ہی تمام نکھٹو مکھیوں کو قبیلے سے نکال دیا جاتا اور وہ جو بیٹھ کر کھانے کی عادی تھیں۔ کھانا نہ ملنے اور کوئی ہنر نہ جاننے کے باعث سردی میں ٹھٹھر کر مر جاتیں۔

عدالت ختم ہوئی تو سب مکھیاں اپنے اپنے کمرے میں چلی گئیں جب کہ بینا اپنی سہیلی کے کمرے میں سو گئی۔ بی مکھی نے نم آنکھوں سے بینا کو دیکھا اور اپنے باقی دونوں بچوں کو لیے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

بینا ایک پھرتیلی مکھی تھی اور اکثر اوقات باقیوں پر اپنے پھرتیلے پن کا رعب جماتی۔ مگر ملکہ کے نزدیک تمام مکھیاں برابر تھیں۔ لہٰذا غلطی پر وہ ہر مکھی کو سزا دیا کرتی۔

حسب معمول صبح کا آغاز ہمسائیوں (مکڑی اور مکڑے) کی لڑائی سے ہوا۔ تمام مکھیاں ایک ایک کر کے اٹھیں اور اللہ تعالی کی حمد و ثنا بیان کر کے ناشتے کی تیاری میں جت گئیں۔ ملکہ چھتے کا ایک طویل دورہ کر کے لوٹی تو نکھٹو مکھیوں کو مکڑی کے گھر جھانکتا ہوا پایا۔ ملکہ کو اپنے پیچھے پا کر دیوار سے لٹکی ساری نکھٹو مکھیاں دھڑام سے نیچے گریں۔

"وہ۔۔۔وہ۔۔۔وہ۔۔۔ملکہ ہم تو بس یوں ہی دیکھ رہے تھے۔" "پرسوں سے دسمبر شروع ہو رہا ہے۔ تم لوگوں کا بھی علاج ہو جائے گا۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔" ملکہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”ہاہاہا یعنی تم لوگ بھی اب گئیں کام سے۔“ ایک کاریگر مکھی پاس آتے کھلکھلا کر بولی۔ نکھٹوؤں نے زور سے بھوں بھوں کیا۔

مگر تم سب جاؤ گی کہاں
ایدھی ہوم کا نمبر موجود نہیں
ایڈریس تمہیں آتا نہیں
اس سردی میں تم جاؤ گی کہاں
بولو بولو
ہنر تمہارے پاس موجود نہیں
کام تمہیں کوئی آتا نہیں
اس سردی میں تم جاؤ گی کہاں
بولو بولو

شرارتی مکھی کا سریلا گیت سن کر چند اور مکھیاں کھلکھلاتی ہوئی پاس آ گئیں۔

”ہونہہ! ہم یہاں سے کہیں نہیں جائیں گی۔ کوئی ہمیں قبیلے سے نکال کے دیکھائے۔“ نکھٹو نے سر جھٹکا۔

”تمہاری زبان ملکہ کے سامنے کیوں نہیں چلتی نکھٹو؟“ ”کیوں کہ اس وقت میرا بولنے کا موڈ نہیں ہوتا۔ اب تم لوگ نکلو یہاں سے۔“

”مگر نکھٹو! تم نے بتایا نہیں کہ قبیلہ بدر ہونے کے بعد تم سب کہاں جاؤ گی؟ اگر سڑک پر آوارہ گردی کرتے پکڑی گئی تو سب کو پولیس لے جائے گی اور پھانسی ہو گی۔ ورنہ میرا کہا مانو تو اپنی ایک ٹانگ پر کپڑا باندھ کر سڑک پہ بیٹھ جاؤ۔ میں روز تمہیں وہاں تھوڑا سا شہد خیرات کر دیا کروں گی۔ ہاہاہا۔“

”تمہیں تو میں بتاتی ہوں۔ ایک منٹ رکو ذرا۔ اب بھاگنا مت۔“ جیسے ہی نکھٹو اس پر حملہ کرنے کی غرض سے اٹھی سامنے سے ملکہ کو آتے دیکھ کر واپس بیٹھ گئی۔ ناشتا ختم ہوتے ہی چھتے کی صفائی شروع ہوئی۔ صفائی کے بعد کاریگر مکھیاں اپنے کام میں جت گئیں مگر ہر کسی کے چہرے سے الجھن چھلکتی تھی اور یہ الجھن مکڑا اور مکڑی کی غیر معمولی طویل لڑائی کے باعث تھی۔ پہلے تو ان کے ناشتا کرنے سے قبل لڑائی ختم ہو جاتی مگر آج ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ دونوں اب تک لڑ رہے تھے بلکہ مکڑا تو آج رو بھی رہا تھا۔

ملکہ نے ان سب کے چہروں پر تشویش دیکھی، تو جائزہ لینے پہنچ گئی۔

”میں نے کہا میں تمہیں مزید اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔ نکلو یہاں سے۔“ مکڑی نے درشت لہجے میں کہا اور بیلنا اٹھا کر مکڑے کو دے مارا۔

”مگر میں کہاں جاؤں گا۔ وہ بھی اس کڑاکے کی سردی میں۔ رحم کھاؤ مجھ پر۔ یہ صرف تمہارا ہی نہیں میرا بھی گھر ہے۔ میں نے دن رات کر کے جالا بنا ہے اور اب جب بچے نکل آئے تو تم مجھے گھر سے نکال رہی ہو۔“ مکڑے نے اپنی ٹانگ سہلاتے ہوئے کہا۔

”ہرگز نہیں۔ تمہارا اس گھر پہ کوئی حق نہیں۔ یہ صرف میرا اور میرے بچوں کا ہے۔ نکلو یہاں سے۔“ مکڑی نے زوردار دھکا دیا اور مکڑا لڑھکتا ہوا درخت سے نیچے گرا اور ساتھ ہی مر گیا۔

ملکہ واپس آ گئی۔ سب مکھیاں جاننے کا تجسّس لیے اس کے ارد گرد جمع ہوئیں کہ اصل ماجرا کیا ہے؟ مگر ملکہ نے سب کو اپنا اپنا کام کرنے کا حکم دیا۔ سب منہ لٹکائے واپس چلی گئیں۔

دسمبر شروع ہوا تو نکھٹو مکھیوں کو قبیلے سے نکال دیا گیا۔ کاریگر مکھیاں سارا سارا دن کام میں لگی رہتیں۔ بینا کی اپنی ماں سے ناراضی اب تک ختم نہ ہوئی تھی۔ وہ اپنی سہیلی کے کمرے میں رہتی تھی۔

مکڑی کے بچے بڑے ہو رہے تھے اور سارا دن ایک دوسرے سے جھگڑتے رہتے۔ لیکن ایک دن لڑائی کچھ زیادہ ہو گئی۔ سردی زیادہ ہو جانے کی وجہ سے تمام مکھیاں ملکہ کے کمرے میں جمع تھیں اور شہد کے پیالے پی رہی تھیں۔

”ملکہ! اب مکڑی کے بچے بڑے ہو رہے ہیں۔ انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا ہے۔ چند دن کے لیے جو سکون تھا، اب وہ پھر سے ختم ہو گیا۔ پھر سے وہی شور و غل، ہنگامہ اور وہی لڑائیاں۔ قبیلے کی بہت سی مکھیاں مکڑی کے بچوں کے ساتھ کھیلتی ہیں۔ میں ڈرتی ہوں کہ ہمسایوں کی صحبت کہیں ہمارے قبیلے پر اثر انداز نہ ہو۔“

ایک سیانی مکھی نے تشویش سے کہا۔

”ہرگز نہیں۔ ہم اپنے قبیلے کو کبھی بھی دارالعنکبوت بننے نہیں دیں گے۔“ ملکہ نے گرج کر کہا۔ ”دارالعنکبوت؟“ سبھی مکھیوں نے آنکھیں سکیڑیں۔

اِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ.

بے شک گھروں میں سب سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔ (العنکبوت. 14)

”جانتی ہو۔۔۔ کیوں؟“ ملکہ نے باری باری سبھی کی طرف دیکھا۔

”کیوں کہ وہ ایک باریک سا جالا ہے جو ہوا کے ہلکے جھونکے سے بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی لیے وہ کمزور گھر ہے۔“ بینا نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔

”تمہاری بات صرف ظاہری حد تک ٹھیک ہے کہ یہ ایک باریک سا جالا ہوتا ہے۔ کمزور سا پردہ مگر کمزوری باہر سے نہیں بلکہ اندر سے شروع ہوتی ہے۔

دارالعنکبوت (مکڑی کا گھر)۔ مکڑی کے گھر میں ازل سے روایت ہے جب ایک مکڑا اور مکڑی جالا بنتے ہیں یعنی اپنا گھر بناتے ہیں تو گھر بننے کے بعد جب بچے نکل آتے ہیں تو مکڑی، مکڑے کو گھر سے نکال دیتی ہے۔ ان دونوں کی آپس میں کبھی نہیں بنتی۔ وہ کام ختم ہونے کے بعد مشکل ترین دنوں میں مکڑے کو گھر سے بے دخل کر دیتی ہے اور اپنے بچوں کے ساتھ رہنے لگتی ہے۔ جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو گھر پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ ہر بات میں اپنی من مانی کرتے ہیں اور مکڑی کو گھر سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس لیے مکڑی کا گھر دنیا کا کمزور ترین گھر ہے۔ ظاہری طور پر بھی اور باطنی طور پر بھی۔ جس میں نہ ماں نہ باپ۔ اسی لیے اللہ نے کہا مکڑی کا گھر کمزور ترین گھر ہے۔

گھریلو دشمنیاں ہمیشہ گھروں کو جالے کی طرح کمزور کر دیتی ہیں۔ ذرا سوچو کتنا بدنصیب ہے وہ گھر جس میں پہلے ماں، بچوں کے باپ کو گھر سے نکال دیتی ہے۔ پھر بچے بڑے ہو کر ماں کو نکال دیتے ہیں اور ہر وہ گھر دارالعنکبوت ہے جس میں گھر والے ایسا سلوک کرتے ہیں۔ خواہ پھر وہ چرند پرند کا گھر ہو یا کسی اور مخلوق کا۔“ ملکہ کی آواز نے ہر طرف سکوت طاری کیا ہوا تھا۔ اس سکوت میں بینا کی سسکیاں سنائی دیں۔ وہ رینگتی ہوئی بی مکھی کے سامنے آ بیٹھی۔

”امی! مجھے معاف کر دیں۔ میں نے آپ سے بدتمیزی کی۔ اور کتنے دن آپ سے ناراض رہی۔ مجھے معاف کر دیں۔ میں آئندہ آپ کا دل نہیں دکھاؤں گی۔ میں اپنے گھر کو دارالعنکبوت بننے نہیں دوں گی۔“ بینا نے روتے ہوئے التجا کی۔

”میری بچی۔“ بی مکھی نے اسے گلے لگایا۔

”اسی خوشی میں آج رات جشن ہو گا۔“ ملکہ کے اعلان کے بعد سارے قبیلے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی جب کہ سفیدے کے ایک پتے سے چپکی مکڑی پچھتا رہی تھی، جسے آج رات اس کے بچوں نے گھر سے نکال دیا تھا۔

# جُنید امِین

## Your Trusted Friend in Real Estate

## Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

# رنگوں کی کہانی

محمد فیصل علی

ایک روز تمام رنگ جمع ہوئے، انھوں نے یہ عزم کیا کہ وہ دنیا کو رنگا رنگ بنا دیں گے۔ یہ رنگ تھے: سرخ، سبز، نیلا اور پیلا۔ وہ زندگی کو حسین و جمیل بنانا چاہتے تھے۔ ان کے درمیان یوں گفتگو ہو رہی تھی۔

سرخ رنگ: میں اندھیرے اور سیاہی کو پسند نہیں کرتا۔ میں اس پوری دنیا میں اپنا رنگ جماؤں گا، تاکہ لوگ محبت اور خوشی پا سکیں۔

پیلا رنگ: میں بھی سیاہ رنگ پسند نہیں کرتا۔ میں بھی اس عالم کو اپنے رنگ سے بھر دینا چاہتا ہوں۔

نیلا رنگ: میں بھی تمہاری طرح ہی سوچتا ہوں اور سیاہ رنگ کو بالکل پسند نہیں کرتا دوستو! میں بھی اپنا امن و سکون والا رنگ پھیلا کر امن کا پیغام دینا چاہتا ہوں۔

اتفاقاً وہاں سیاہ رنگ بھی آن پہنچا۔ اس نے نیلے رنگ کی گفتگو سن لی تھی اور اب وہ شرمندہ شرمندہ سا لگ رہا تھا۔

سیاہ رنگ: میں نہ برا ہوں، نہ ہی کسی کو تکلیف دیتا ہوں۔ میں بھی تو تمہارے جیسا ایک رنگ ہی ہوں۔ میرا نام سیاہ ہے۔ میں سب رنگوں کو پسند کرتا ہوں۔ میں مانتا ہوں کہ دنیا کی خوب صورتی کے لیے تم سب ضروری ہو، لیکن میں، میں بھی تو ضروری ہوں نا، میں رات کو اپنا رنگ پھیلا کر سب کو راحت پہنچاتا ہوں۔

تمام رنگ: (بیک زبان) یہ ٹھیک ہے، یہ سچ ہے۔

نیلا رنگ: میں تم سے معافی چاہتا ہوں سیاہ رنگ، مجھے اب شرمندگی محسوس ہو رہی ہے۔

پیلا رنگ: بالکل، ہم نے تمھیں ہلکا لیا یار جب کہ تم بھی قیمتی رنگ ہو۔

سرخ رنگ: ہم معذرت خواہ ہیں اور تمہاری بات صحیح ہے۔ دیگر رنگوں سے سرور حاصل کرنے کے بعد آدمی کو راحت کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ وہ اگلے روز تر و تازہ ہو کر پھر سے اپنے فرائض سرانجام دے سکے اور اسے یہ راحت تمہاری آغوش میں مل سکتی ہے۔

سیاہ رنگ: معذرت کی ضرورت نہیں دوستو! ہم سب بھائی ہیں۔ ہم سب کو اپنا اپنا کام اور اپنا اپنا مقام پہچاننا چاہیے، تاکہ ہم لوگوں کو نفع پہنچا سکیں۔

پیلا رنگ: زبردست، یہ ہوئی نا بات! چلو دنیا کو رنگا رنگ کر دیں۔

سب رنگ: (بیک زبان) چلو!!!

رنگوں نے دنیا میں پھیلنا شروع کر دیا۔ اب چاروں طرف رنگ ہی رنگ تھے۔ یہ سب رنگ خوشیاں منا رہے تھے۔

سرخ رنگ: میں اپنا رنگ سیب کو دوں گا جو انسانی جسم کے لیے بے حد مفید ہے اور میں گلاب میں بھی پھیل جاؤں گا، تاکہ وہ حسن اور خوشبو سے بھر جائے اور میں نے آگ میں بھی شامل ہونا ہے، تاکہ لوگ اس سے حرارت پا سکیں۔

پیلا رنگ: بالکل، میں بھی آگ میں تمہارے ساتھ ساتھ ہوں گا، اس کے علاوہ میں کیلوں کو خوش شکل بنا دوں گا کیوں کہ اسے بچے بہت پسند کرتے ہیں (ہنستا ہے) اور ہاں میں نے تو سورج کے ساتھ بھی چمکنا ہے۔

نیلا رنگ: مجھے تو تم جانتے ہی ہو، میں سارے آسمان پہ اکیلا ہی حاوی رہتا ہوں۔ اسی طرح سمندر اور دریاؤں پہ بھی میری بادشاہت ہے۔

ہر رنگ دنیا میں پھیلتا جا رہا تھا اور دنیا حسین سے حسین تر ہوتی جا رہی تھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان رنگوں کے دلوں میں حسد اپنا رنگین زہر منتقل کر رہا تھا۔

سرخ رنگ: کیا تم نے سرخ پھول دیکھے؟ دیکھے نا؟ یہ پھول سب سے زیادہ حسین ہیں۔

پیلا رنگ: کیوں؟ کیوں؟ صرف سرخ ہی کیوں، پیلے پھول بھی تو خوب صورت ہیں بلکہ یہی سب سے حسین ہیں۔

نیلا رنگ: ہونہہ، میرے نیلے رنگ کے آسمان کے بغیر تمہاری کیا حیثیت؟؟ میرے نیچے رہتے ہو تم سب۔

سرخ رنگ: میں زیادہ حسین ہوں کسی سے بھی پوچھ لو۔

پیلا رنگ: اپنے منھ میاں مٹھو؟ واہ!

نیلا رنگ: میں اعلیٰ ہوں۔

(مختلف ملی جلی آوازیں، جن میں ہر رنگ میں، میں کر رہا ہوتا ہے۔ پھر وہ سب منھ موڑ کر الگ الگ ہو جاتے ہیں)

یوں رنگوں پہ حسد اور غرور کا رنگ چڑھ گیا۔ جیسے ہی رنگ الگ ہوئے وہ چراغوں کی طرح بجھتے چلے گئے اور پوری دنیا سیاہی میں ڈوب گئی۔ ایسے میں سیاہ رنگ بولا۔

”اے خوب صورت رنگو! یہ تم نے کیا کر دیا؟ تم لوگوں نے دنیا کی ساری خوب صورتی برباد کر کے رکھ دی ہے۔“

نیلا رنگ: اور تم کیوں غمگین ہو؟ تمھیں تو خوش ہونا چاہیے کہ اب چاروں طرف تم ہی تم ہو۔“

سیاہ رنگ: شاید مجھ میں اور تم میں یہی فرق ہے۔ میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ صرف ”میں ہی“ سب کچھ ہوں، بلکہ ہمیشہ یہی سوچتا ہوں کہ دوسروں کے ساتھ ساتھ ”میں بھی“ اپنا کام کروں گا۔ دیکھو نا ”میں ہی“ میں حسد اور غرور ہے جب کہ ”میں بھی“ میں اتحاد و قوت ہے۔ آہ!! (سیاہ رنگ ایک ٹھنڈی آہ بھرتا ہے) میں اکیلا کچھ بھی نہیں کر سکتا، صرف تمھیں تمہارا رنگ لوٹانے میں مدد کر سکتا ہوں۔

سرخ رنگ: اوہ، مجھے اپنی سوچ پہ افسوس ہے۔

نیلا رنگ: اس کا مطلب ہے کہ ہر رنگ کی اپنی اپنی اہمیت ہے، اب سمجھا۔

پیلا رنگ: اف خدایا ہمیں معاف کر دے!

اس وقت سب رنگوں کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ سب جلدی سے گلے ملے۔ جیسے ہی وہ گلے ملے، چاروں طرف رنگ و نور کی بارش سی ہونے لگی اور پھر ایک عجیب منظر سامنے آیا۔ رنگوں کے ملنے سے، ان کے اتحاد سے نئے رنگ سامنے آنے لگے جن کا حسن مثالی تھا، یہ رنگ تھے، بنفشی رنگ، مالٹائی رنگ وغیرہ۔

نیلا رنگ: سبحان اللہ! اللہ کا شکر ہے کہ ہم ایک ساتھ ہیں۔

سرخ رنگ: اب ہر چیز پہلے جیسی ہو گئی ہے۔

پیلا رنگ: تو چلیں خوشی کا رقص شروع کریں نا!

سیاہ رنگ: شکر ہے کہ میں یہ منظر دیکھوں گا، چلو نا!!

وہ سب ہنسنے مسکرانے لگتے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ہونے کی وجہ سے دنیا میں محبت، اخوت، ایثار، خلوص، شکر، عاجزی اور خیر خواہی عام ہونے لگی اور لوگوں کی زندگیاں حسین ہونے لگیں۔ جب سارے رنگ مل کر ہنسے تو پتا ہے کیا ہوا؟ آسمان پہ ایک عجیب چیز نمودار ہو گئی، جی ہاں! پھر لوگوں نے دیکھا کہ آسمان پہ رنگوں سے سجی قوس و قزح نمودار ہو گئی ہے۔ انھیں نہیں پتا تھا کہ یہ قوس و قزح رنگوں کے مسکرانے سے بنی ہے، البتہ اسے دیکھ کر سبھی کے لبوں پہ تبسم پھیل گیا تھا اور وہ سب بھی مسکرا رہے تھے بلکہ پورا عالم مسکرا رہا تھا۔

# بلاعنوان

تنزیلہ احمد

**اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔**
**عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 نومبر ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں**

یہ امیر طبقے کی ایک رہائشی کالونی کا منظر تھا۔ ایک جیسے دکھائی دینے والے صاف ستھرے دو اور تین منزلہ گھر بہت دیدہ زیب تھے۔ اس وقت تمام گھروں کے گیٹ بند اور کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے۔ دوپہر کے وقت گھروں کے مکین آرام کرتے تھے۔ دھوپ سے بے نیاز وہ معمول کے مطابق اپنا کام کرکے اس طرف کو آ نکلا۔ سڑک ویران تھی۔ اپنے قد جتنا ملگجا بورا کندھے سے پیچھے کمر تک لٹکائے وہ ہر روز کی طرح ذرا دیر ستانے کو مخصوص جگہ بیٹھا تھا۔ کالونی کے باہر برگد کا بزرگ درخت اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ یہاں سے خوب صورت گھروں کی قطار واضح نظر آتی تھی۔

ابھی اسے بیٹھے چند لمحے ہی ہوئے تھے کہ ایک بڑی کالی گاڑی خالی سڑک پر تیزی سے گزری۔ کچھ دیر بعد بیک ہوتی عین اس کے پاس آکر رک گئی تھی۔ گاڑی کا شیشہ نیچے ہوا۔

"کون ہے تو؟ یہاں کیوں بیٹھا ہے، کوئی چور اچکا تو نہیں؟"

بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی نے بارعب آواز میں اس سے سوال پوچھے، مگر وہ بالکل نہ گھبرایا۔

"نہیں صاب! میں پاس کے علاقے سے کچرا اکٹھا کرتا ہوں۔ کبھی کبھار ادھر ستانے کو بیٹھ جاتا ہوں۔"

"جھوٹ تو نہیں بول رہے؟ کیا پتا جائزہ لینے اور موقع کی تلاش میں بیٹھے ہو؟ تمہارے والدین کہاں ہیں؟"

"میں جھوٹ نہیں بولتا! والدین مر چکے ہیں۔" اس نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے بے زاری سے جواب دیا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"تم کون ہو صاب؟ اتنے سوال کیوں پوچھ رہے ہو؟" اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ گاڑی کے نزدیک چلا آیا۔ چھوٹی سی عمر میں اس نے انسانوں کے اتنے روپ دیکھے تھے کہ اس کا ڈر مر چکا تھا۔

"تیز بچے ہو! یہ کھالو اور دو تین دن بعد میں تم سے یہیں ملوں گا۔ تمہارے کام کی اک بات بتاؤں گا۔" جلدی جلدی بولتے ہوئے اس نے برگر والا ڈبا اس کی جانب بڑھایا جو اس نے جھجکتے ہوئے تھام لیا۔ اگلے ہی پل گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔ آدھے کھائے برگر کی خوشبو اسے کھینچ رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ درخت سے ٹیک لگائے سکون سے برگر کھاتے ہوئے بڑے لوگوں کی زندگی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

اردگرد کی سڑکوں اور کوڑے دانوں کو کھنگال کر وہ یہاں آتا اور درخت کی آغوش میں بیٹھ کر حسرت بھری نگاہوں سے خوب صورت گھروں کو تکتا رہتا، جیسے یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ ہو۔ اگر کوئی بچہ گاڑی پر اپنے والدین کے ساتھ نظر آجاتا تو خوش شکل، صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس بچوں کو دیکھ کر پہلے وہ خوش ہوتا۔ پھر اپنے اڑے بالوں، پھٹے پرانے کپڑوں، مٹی سے اَٹے چہرے، گندے ہاتھوں اور میلے پاؤں میں پہنی ٹوٹی جوتی کو دیکھ کر مایوسی سے سر جھکا لیتا۔

دس سالہ امین یتیم تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی اس نے خود کو فٹ پاتھ پر پایا تھا۔ صبح ہوتے ہی وہ بورا لٹکائے کام پر نکل پڑتا۔ سارا دن سڑک کنارے اور کچرے کے ڈھیر سے کارآمد کچرا چن کر اپنے بورے میں اکٹھا کرتا۔ شام ہوتے ہی دوسرے بچوں کی طرح اسے کباڑیے کے پاس بیچتا، تھوڑے بہت پیسے کماتا اور اس سے کچھ کھانے پینے کو خرید لیتا اور رات ہوتے ہی فٹ پاتھ پر سونے پہنچ جاتا۔ یہ تھی اس کی زندگی جس کو بدلنے کے خواب وہ کھلی آنکھوں دیکھا کرتا تھا۔

***

"امین بیٹا! سبق پڑھنے کیوں نہیں آتے؟" شام میں وہ نظر بچا کر گلی سے گزر رہا تھا کہ اپنی پشت پر مولوی صاحب کی آواز سن کر برے برے منہ بناتا رک گیا۔

"مولوی جی! وقت ہی نہیں ملتا، کام اتنے ہوتے ہیں۔" اس نے منہ بسورا تھا۔

"کام اپنی جگہ مگر جس اللہ نے ہمیں پیدا کیا اس کے لیے تھوڑا وقت نکالنا چاہیے۔ نماز اور سیپارہ پڑھنے آیا کرو۔" انھوں نے مسکراتے ہوئے مزید کہا تو وہ زچ ہوا۔

"میں نے نہیں آنا مولوی جی! سب بچے مجھ پر ہنستے اور کہتے ہیں کہ مجھ سے بو آتی ہے۔ نہ میرے کپڑے صاف ہوتے ہیں نہ میں خود۔۔۔"

"ارے یہ کیا بات ہوئی۔ تم وضو کرتے تو ہو۔ بچوں کا من تو ویسے ہی صاف ہوتا ہے۔ اللہ دل اور نیت دیکھتا ہے، کپڑے یا حلیہ نہیں۔" انھوں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اسے ذرا دیر کو شرمندگی محسوس ہوئی۔ مولوی جی کی آنکھوں کی چمک اور میٹھی زبان سے اسے خوف آتا تھا۔ وہ کتنے آرام سے اپنی بات منوا لیتے تھے۔ "چلو آجاؤ پھر، شام کا سبق پڑھانے لگا ہوں۔" اسے خاموش دیکھ کر انھوں نے کہا تو وہ سر ہلاتے ہوئے وضو کرنے چل دیا۔

اگلے چند روز اس نے کالی گاڑی والے بارعب آدمی کا انتظار کرتے گزارے، مگر اتجبی نہیں آیا تھا۔ کتنا تجسّس تھا اسے جاننے کا کہ کام کی کون سی بات اس بارعب مرد کے پاس تھی۔ ہفتہ بھر گزر گیا تھا۔ انتظار سے مایوس ہو کر وہ بورا اٹھائے واپس جا رہا تھا کہ گاڑی کے پہیوں کی تیز چرچراہٹ سن کر ٹھٹکا۔

"کدھر جا رہے ہو؟" وہ آواز پہچان کر مڑا۔

"تم کدھر تھے صاحب؟ اتنے دن میں انتظار کرتا رہا۔ تم نے کہا تھا کام کی بات بتانے کا۔۔۔" اس نے ایک ہی سانس میں سب کہہ ڈالا۔

"میرے ساتھ چلو۔ سب بتاتا ہوں۔"

"نہیں! جو بتانا ہے ادھر ہی بتاؤ!" وہ ڈٹ گیا۔

"اوہو، بہت ضدی ہو، اچھا سنو! میرے لیے کام کرو گے؟ خوب پیسے ملیں گے اور اگر پہلے کام میں کامیاب رہے تو پھر پیسے بڑھتے جائیں گے۔ یہ جو بڑے گھروں کو ترسی نگاہوں سے دیکھتے ہو نا اگر میرے لیے کام کرتے رہے تو ایک دن تم کسی ایسے گھر میں ہی ہو گے۔"

"واقعی!! کام کیا ہوگا؟"

"کام مشکل نہیں۔ بس بہادری اور بے خوفی چاہیے جو مجھے تم میں نظر آئی ہے۔ تم سوچ لو، کل اسی وقت ملوں گا۔" بڑی دیر تک وہ نظروں سے اوجھل ہوتی گاڑی کی نمبر پلیٹ کو گھورتا رہا تھا۔

***

"کیا بات ہے امین، پریشان ہو؟" وہ سبق پڑھ کے جا رہا تھا جب مولوی صاحب نے پیار سے پوچھا۔

# نونی چڑیا

سمیرا انور

جاڑے کا موسم تھا۔ ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ جنگل میں خاموشی کا عالم تھا۔ سبھی چرند پرند اپنے گھونسلوں میں دبکے بیٹھے تھے۔ چڑیا اپنے بچوں کو ڈانٹ رہی تھی کہ باہر نہیں نکلنا سردی لگ جائے گی اور کوا اپنے بچوں پر غصے ہو رہا تھا جو سردی کے مزے لینے کے لیے بے تاب تھے۔ بلبل اور کویل نے دروازے بند کر کے بچوں کو زبردستی بستروں میں گھسا دیا تھا، ایسے میں صرف نونی چڑیا ہی تھی جو اپنے امی، ابو سے آنکھ بچا کر باہر نکل آئی تھی۔ اسے تو یہ موسم بہت پسند تھا۔ امی اپنی بیماری کی وجہ سے بستر پر لیٹی تھیں اور ابو رات کے تھکے ہارے اپنے کام سے ابھی لوٹے تھے اور ناشتے کے بعد سو گئے تھے۔ نونی چڑیا کو موقع چاہیے تھا، اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔

"نونی چڑیا! تم اتنی سردی میں کیا کر رہی ہو؟" چمپا بندریاں نے حیرانی سے پوچھا۔

"بی بندریا! اتنا اچھا موسم ہے اور کوئی پاگل ہی ہوگا جو اس سے لطف نہیں اٹھائے گا۔" نونی چڑیا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے تم پاگل ہو۔ گھر پر تمہاری ماں بیمار ہے، تمہیں چاہیے ان کی دیکھ بھال کرو نہ کہ اس موسم کے مزے لو۔" چمپا بندریاں نے اسے کھری کھری سنا دیں۔ بڑی بی کی باتیں سن کر نونی کو غصہ تو بہت آیا، لیکن وہ اس کی باتوں میں آکر اس خوب صورت موسم کا مزا خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے سنی ان سنی کرتی وہاں سے آگے بڑھ گئی۔

" آج کل کے بچوں کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے، بھلائیوں بھی کوئی کرتا ہے۔" چمپا بندریا بڑبڑاتے ہوئے اپنے گھر میں داخل ہو گئی۔

نونی چڑیا خوشی سے جھوم جھوم کر کبھی ایک درخت پر بیٹھتی تو کبھی دوسرے پر۔ اس نے اپنی مرضی کے پھل کھائے اور انار کا رس پیا۔ وہ دھند کے مرغولوں کے پیچھے بھاگتے ہوئے چہچہا رہی تھی۔ آہستہ آہستہ دھند کے بادل چھٹنے لگے۔ اسے باغ میں آئے کافی دیر ہو گئی تھی۔

"امی جان۔۔۔ امی جان۔۔۔" چمپا بندریا نے اپنے بچے کی پکار پر باورچی خانے سے جھانکتے ہوئے آواز دی۔

"میں نے ابھی نونی چڑیا کے ابو کو روتے ہوئے سنا ہے۔ ان کے گھر سے شور کی آواز آرہی ہے۔" چمپا کے بچے نے کہا۔

"اوہ! نونی کی ماں بیمار ہے۔ اللہ خیر کرے چلو آؤ دیکھتے ہیں۔" وہ جلدی سے یہ کہتے ہوئے نونی چڑیا کے گھر کی طرف بھاگیں۔

"بھائی صاحب! کیا ہوا؟ سب خیریت ہے نا۔" نونی کی امی کو بے سدھ انداز سے لیٹے دیکھا تو تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے بولیں۔

"پتا نہیں بہن کیا ہوا؟ اتنی دیر سے آوازیں دے رہا ہوں۔ کچھ بول نہیں رہیں۔" انھوں نے پریشانی سے کہا۔

"آپ جلدی سے "الو میاں" کو بلا کر لائیں۔" چمپا کی بات سن کر وہ سر ہلاتے ہوئے الو حکیم کی طرف بھاگے جو جنگل کے سارے جانوروں اور پرندوں کا علاج کرتے تھے۔ نونی کی امی کو بہت دنوں سے ہلکا ہلکا بخار تھا۔ کل رات سے بخار کی شدت بڑھ گئی تھی۔ دوا اور کھانا وقت پر نہ کھانے کی وجہ سے ان کے پٹھے کم زور ہو گئے اور وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔ حکیم الو نے ان کے منہ میں دوا ڈالی جس کی وجہ سے کچھ دیر بعد انھیں ہوش آگیا۔

"نونی! میری بچی کہاں ہے؟" آنکھیں کھولتے ہی انھوں نے پوچھا۔

"نونی صاحبہ تو سردی کے مزے لے رہی ہوں گی۔ میں نے صبح اسے باغ کی طرف جاتے دیکھا تھا۔" چمپا کی بات سن کر نونی کی امی جان کے آنسو نکل آئے۔ "کاش! نونی کو ان کا تھوڑا سا احساس ہوتا۔"

دوسری طرف نونی چڑیا ایک مصیبت میں پھنس گئی، اس کے پنکھ کانٹوں میں الجھ گئے، جسے نکالتے ہوئے وہ بری طرح زخمی ہو گئی۔ وہ کسی کو اپنی مدد کے لیے نہیں بلا سکتی تھی کیوں کہ اس موسم میں سب ہی اپنے امی، ابو کی مانتے ہوئے گھروں میں کھیل کود رہے تھے۔ نونی چڑیا کو بری طرح اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اپنے زخمی پنکھ کے ساتھ وہ تیزی سے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ اس کی امی جان بستر پر دراز تھیں اور چمپا بندریا کے بچے ان کے لیے کھانا بنا رہے تھے۔ یہ دیکھ کر نونی چڑیا شرمندہ سی اپنی امی کے پاس بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی امی جان سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ وہ کبھی بتائے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی اور نہ ہی اپنی خوشی کے لیے اپنے ماں، باپ کی نافرمانی کرے گی۔

---

"وہ۔۔۔ اصل میں مولوی جی ایک بات ہے۔" اٹکتے اٹکتے وہ بمشکل بولا۔ اس کی زندگی میں زیادہ لوگ نہ تھے۔ اپنی طرح کے بچوں کے علاوہ بس مولوی جی ہی اس سے ڈھنگ سے بات کرتے تھے۔

"اگر ہمیں وہ سب کچھ ملے جو ہم چاہیں، مگر کسی کا بہت نقصان کرنے کے ب تو۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔

"تو یہ گناہ ہو گا۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ ایک بھائی کا دوسرے کو نقصان پہنچانا زیب نہیں دیتا۔"

"مگر ہمیں وہ سب تو ملے گا جو ہم چاہتے ہیں۔"

"جو تمہارے نصیب میں ہے، وہ مل کر رہے گا بچے۔ غم نہ کرو۔"

"نصیب میں تو بس یتیمی اور کچرا چننا ہے۔" اس نے یاسیت سے کہا تو وہ چونکے۔

"ہوا کیا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ شاید میں تمہارے کام آجاؤں۔"

پوچھنے پر وہ دھیرے دھیرے انھیں سب بتاتا چلا گیا، جسے سن کر مولوی صاحب سکتے میں آگئے تھے۔ اس روز کے بعد کالی گاڑی والا اسے ملا تھا۔ کام کی نوعیت جان کر اس کا دل کانپ اٹھا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ وہ اتنا بچہ تو نہ تھا کہ سب سمجھ نہ پاتا۔ یہ ہی وجہ پریشانی تھی جس کا اظہار وہ مولوی صاحب سے کر رہا ہے۔ اس بھرے معاشرے میں وہی اس کے ہم درد تھے۔

***

اس نے کالونی کی جانب جانا چھوڑ دیا تھا۔ کئی اور دن خاموشی سے گزر گئے تھے۔ عصر کے بعد وہ سبق پڑھنے آیا تو مولوی صاحب کو اپنا منتظر پایا۔

"میں آج آپ سب کے سامنے امین کو اپنا بیٹا بناتا ہوں۔ اس کی کفالت اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اب میری ہے۔ اب یہ کچرا نہیں چنے گا بلکہ ہم سب کی طرح باعزت زندگی گزارے گا۔" مولوی صاحب نے اعلان کیا تو امین کی آنکھیں نم ہوئیں۔

بات یہ تھی کہ اسے شہر کے ایک نامور اسکول میں یومِ دفاع کی تقریب کے دوران ایک پراسرار بیگ رکھنے کا کام ملا تھا۔ اس کے بدلے ڈھیروں پیسے ملتے، مگر کئی معصوم بچے جان سے چلے جاتے۔ امین غریب، بے کس اور قسمت کا مارا ضرور تھا، مگر وہ ملک دشمن عناصر کا آلہ کار نہیں بنا تھا۔ "میں اپنے وطن اور لوگوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔" اس کی یہ سوچ بہت طاقتور تھی۔

چھے ستمبر کو سرحد پار سے دشمن ہمارے ملک میں در آیا تھا اور اب یہ حالات تھے کہ ملک کے اندر ہی کئی دشمن بھیس بدلے پھرتے اور دہشت گردی کا کوئی بھی موقع ضایع نہ کرتے تھے۔

اسے کالی گاڑی کا نمبر یاد تھا، جو اس نے پولیس کو بتا دیا تھا۔ گاڑی جس آدمی کے نام پر تھی وہ تو کئی برسوں سے بیرونِ ملک مقیم تھا۔ تانے بانے جوڑتے ہوئے حساس ادارے نے پولیس کی مدد سے دہشت گردی کی ایک بڑی کارروائی ناکام بنا کر کئی پھولوں کو مرجھانے سے بچا لیا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی کام یابی تھی۔ امین اپنی پاک سرزمین سے کبھی غداری کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے تئیں ارضِ پاک کا دفاع کر کے اس نے وطنِ عزیز سے محبت کا ایسا مظاہرہ کیا جو دوسرے بچوں کے لیے مثال تھا۔ پاکستان اس کا وطن تھا اور وہ اس کا امین۔ اس نیکی کے صلے میں اللہ نے ایک فرشتہ صفت انسان کو اس کا کفیل بنا دیا تھا، جس عزت کی زندگی کے خواب وہ دیکھتا تھا وہ امین کا نصیب بن چکی تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔

Saiban
FOR ORPHANS
BAITUSSALAM

# یتیموں کا سائبان
# بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

**Address:**
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

## ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

## شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

+92 333 4632340

+92 021 35290156

# انوکھا علاج

محمد احمد رضا انصاری

رات مکمل بھیگ چکی تھی، جب زہیم تھکا ہارا اپنی گلی میں داخل ہوا۔ وہ دوپہر کے بعد کپڑا مارکیٹ کی ایک دکان پر کام کرتا تھا۔ معاشی حالات دگرگوں ہونے کی وجہ سے پندرہ سالہ زہیم کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ روزی روٹی کے لیے ملازمت بھی کرنی پڑ رہی تھی، ورنہ گھر کی گاڑی مشکل سے چلتی۔۔۔ جب سے اس کے ابو کا انتقال ہوا تھا، مسائل نے گویا ان کے گھر کی دہلیز ہی پکڑ لی تھی۔

زہیم سے چھوٹے تین بہن بھائی بھی اسکول پڑھتے تھے۔ ان کی پڑھائی کے خرچ اور گھر کی دال روٹی کے لیے زہیم نے اسکول کے بعد ایک دکان میں کام کرنا شروع کر دیا تھا۔ حالات تو کچھ بہتر ہونے لگے، لیکن پڑھائی اور کام کی وجہ سے زہیم کی صحت پر منفی اثرات بھی رونما ہونے لگے تھے۔ زہیم کو غیر نصابی کتب پڑھنے کا شوق بھی تھا۔ رات کو اسکول کے کام کے بعد وہ کتاب یا رسالے کے چند صفحات ضرور پڑھتا تھا، چوں کہ وہ رات کو بھی پڑھائی کرتا تھا، اسی لیے زہیم کی نظر بھی متاثر ہونے لگی۔ ڈاکٹر کی مہنگی فیس اور عینک کی قیمت نہ ہونے کے سبب وہ نظر چیک کرانے بھی نہیں جا سکتا تھا۔

اور اب ایک نئی مصیبت اس کے سر اُمڈ آئی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے زہیم کو اپنے ساتھ کسی اجنبی مخلوق کی موجودگی کا احساس ہونے لگا تھا، جب وہ تنہا ہوتا یا رات کو گھر واپس آتا تو اسے اپنے پیچھے کسی دوسرے شخص کے چلنے کی آواز بھی سنائی دیتی۔ زہیم نے چند بار مڑ کر دیکھا تھا، لیکن ہر بار اسے کوئی نظر نہ آیا۔ وہ پُراسرار چاپ صرف اس وقت سنائی دیتی جب زہیم گلی میں تنہا گزرتا تھا۔ رات کو اجنبی قدموں کی چاپ روز اس کے اعصاب کا امتحان لینے لگی تھی۔ زہیم نے کسی کو اس بارے میں نہیں بتایا تھا کہ امی خوامخواہ پریشان ہو جائے گی اور شاید اسے دکان سے ہٹا بھی لیں۔۔۔

سردیاں شروع ہو چکی تھیں۔ زہیم کو اب دکان سے سات بجے چھٹی ہو جاتی تھی۔ مارکیٹ ان کے گھر سے بیس منٹ کے فاصلے پر تھی۔ مارکیٹ سے زہیم اپنے روٹ کی بس پر بیٹھتا اور بیس منٹ بعد اپنے گھر کے قریب اتر جاتا۔ اس کا گھر شہر سے باہر ایک نئی آبادی میں تھا، جہاں ابھی زیادہ لوگ رہائش پذیر نہیں تھے۔ ان کی گلی میں بھی گنتی کے چند ہی گھر تھے وہ بھی فاصلے پر، درمیان میں خالی پلاٹ تھے، جن میں جنگلی گھاس پھوس اگا ہوا تھا۔

جب زہیم اپنے علاقے میں داخل ہوتا تو وہاں ویرانی چھائی نظر آتی تھی۔ ٹھنڈ کی وجہ سے لوگ مغرب کے بعد ہی اپنے گھروں میں دبک جاتے تھے۔۔۔

زہیم آیت الکرسی پڑھتا بس سے اترا اور اپنی گلی میں مڑ گیا۔ حسبِ معمول گلی سنسان تھی اور تبھی کوئی زہیم کے پیچھے آنے لگا۔ سردی ہونے کے باوجود اس کا جسم پسینے پسینے ہو گیا، کچھ دور چل کر زہیم اچانک مڑا اور پھر وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ گلی دور تک کسی دوسری ذی روح سے خالی تھی۔ زہیم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ وہ پھرتی سے اپنے گھر کی طرف بھاگا۔ اس کا تعاقب کرنے والی مخلوق بھی تیز قدموں سے دوبارہ اس کے پیچھے آ رہی تھی۔ زہیم نے گھر کا دروازہ ایک جھٹکے سے کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔

رات کا جانے کون سا پہر تھا، جب اچانک زہیم کی آنکھ کھل گئی۔ اسے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ کمرے میں اس کے ساتھ دونوں چھوٹے بھائی بھی سوتے تھے۔ زہیم آہستہ سے بستر سے اترا اور دروازہ کھول کر صحن میں چلا آیا۔ صحن دھند میں ڈوبا ہوا تھا۔ باورچی خانے سے اس نے گلاس اٹھایا اور نلکے کی جانب گیا۔ پانی پی کر وہ واپس آنے لگا کہ انجانی مخلوق کے قدموں کی چاپ دوبارہ سنائی دی۔ زہیم ہر ممکن تیزی سے مڑا اور پہلی بار اس نے اپنے پیچھے ایک سفید سایہ سا اچانک فضا میں تحلیل ہوتا دیکھا۔ چند پل کے لیے تو زہیم ساکت ہی رہ گیا، پھر ڈر کے مارے وہ گلاس پھینک کر اپنے کمرے میں بھاگ آیا۔ صبح تک اس کی آنکھوں کے سامنے سفید سایہ ناچتا رہا، نیند دور کسی وادی میں جا کر چھپ گئی۔

***

دوسرے روز اتوار تھا۔ اتوار کو زہیم کچھ دیر پڑھتا، پھر دس بجے دکان پر چلا جاتا تھا۔ اتوار کو اسے پیسے ڈبل ملتے تھے۔ دکان کا مالک بہت نیک دل تھا۔ وہ زہیم کے گھریلو حالات سے بخوبی واقف تھا اور وقتاً فوقتاً زہیم کی تنخواہ کے ساتھ ساتھ کچھ مالی مدد بھی کرتا رہتا تھا۔ شبیر احمد کئی دن سے زہیم کو کھویا کھویا سا دیکھ رہے تھے۔ یقیناً زہیم کو کوئی پریشانی اندر ہی اندر کھا رہی تھی۔ چند بار کام کے دوران اس سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں، حالاں کہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا تھا۔ زہیم اپنا کام پوری توجہ کے ساتھ سرانجام دیتا تھا۔ آج جب دکان پر گاہکوں کا رش کم ہوا تو انھوں نے زہیم کو پاس بٹھایا اور نرم لہجے میں پوچھا کہ وہ کس بات کو لے کر اتنا پریشان ہے؟

زہیم پہلے تو ہچکچایا، لیکن وہ خود اب پریشانی کو اپنے اندر پال کر تھک چکا تھا اور کوئی سامع چاہتا تھا، اس نے ساری بات شبیر احمد کے گوش گزار کر دی۔۔۔

"اوہ، تو یہ بات ہے، بھئی! بڑا ہی برا سایہ ہے وہ جو دو ہفتے سے ہمارے زہیم کو تنگ کر رہا ہے۔ خیر تم فکر نہ کرو۔ اس کا حل سوچتے ہیں۔ سفید سایہ بہت جلد تمہارا پیچھا چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔" بشیر احمد نے ہلکے پھلکے انداز میں زہیم کو تسلی دی۔ زہیم کے دل پر لدا بوجھ آج ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ ان کی بات سن کر مسکرا دیا۔۔۔

***

اگلے روز جس وقت زہیم دکان پر آیا تو بشیر احمد نے اپنے بیٹے کو کاؤنٹر پر بٹھایا اور دوسرے ملازموں کو دکان کا خیال رکھنے کا کہہ کر زہیم کو گاڑی میں لے کر اپنے دوست کے کلینک پر روانہ ہو گیا۔ کل رات انھوں نے زہیم کو کہہ دیا تھا کہ وہ اسے اپنے سائیکالوجسٹ دوست کے پاس لے چلیں گے اور ان کا دوست زہیم کا مسئلہ آسانی سے حل کر دے گا۔

زہیم گاڑی کے باہر گزرتے مناظر دیکھنے لگا۔ بہت جلد وہ شہر کے پوش ایریا میں بنے ڈاکٹر ارشد جاوید کے کلینک پہنچ گئے۔ دس منٹ انتظار کے بعد زہیم کا نمبر آ گیا۔

"میں یہیں بیٹھتا ہوں۔ تم اندر جاؤ۔ ارشد جاوید صرف اپنے کلائنٹ سے ملتے ہیں اور کسی دوسرے شخص کو سیشن کے دوران اپنے کمرے میں نہیں بٹھاتے۔" زہیم سر ہلا کر ڈاکٹر صاحب کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

آدھے گھنٹے تک ڈاکٹر صاحب زہیم سے گفتگو کرتے رہے۔ باریک بینی سے زہیم کی بیان کی گئی باتوں کا جائزہ لیتے رہے اور مختلف سوالات کرتے رہے، بہت سی باتیں

بقیہ صفحہ 36 پر

# صفائی پسند

سامان یوسف سمیجہ

”شکیلہ ---۔ او شکیلہ ---۔ !“ نزہت بیگم، کام کرنے والی ماسی شکیلہ کو آوازیں دے دے کر تھک گئی تھیں۔

”جی بیگم صاحبہ ---۔ !“ شکیلہ پھولی سانسوں کے ساتھ آہی گئی۔

”کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس رکھی ہوتی ہیں تم نے ؟ کافی دیر سے تمہیں آوازیں دے رہی ہوں۔ کہاں تھیں تم ---؟ وہ چلائیں۔ ”وہ بیگم صاحبہ ---۔ !“ شکیلہ اس سے آگے اور کچھ نہ بول پائی۔ ”کچھ پھُوٹو منہ سے، ورنہ میں تم پر ”پھٹ“ پڑوں گی۔“ نزہت بیگم چنگھاڑتی آواز میں بولیں۔

”وہ بیگم صاحبہ ! نصیر کے ہاتھ سے پانی پیتے ہوئے گلاس چھوٹ کر ٹوٹ گیا، میں ٹوٹے گلاس کی کرچیاں سمیٹ رہی تھی۔“ شکیلہ نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔ نصیر، شکیلہ کا پانچ سالہ بیٹا تھا، جسے وہ ہر روز اپنے ساتھ کام پر لاتی تھی۔

”تم نصیر کو ساتھ لاتی ہی کیوں ہو؟ میرا مہنگا گلاس توڑ دیا۔۔۔ !“ وہ پھٹ پڑیں۔ ”آیندہ اُس کو ساتھ مت لانا۔“ شکیلہ سہمی کھڑی تھی۔

”اچھا، چلو اب صفائی کرو ڈرائنگ روم کی، ہر چیز پر گرد جمی ہوئی ہے، چھت پر جالے لٹکے ہوئے ہیں، فرش گندا پڑا ہے۔ مجھے کچھ ہی دیر میں ڈرائنگ روم چمکتا دمکتا نظر آئے، عصر کے بعد ارتضٰی کے کچھ دوست آئیں گے !“ غصہ نکالنے کے بعد نزہت بیگم احکام جاری کرکے ڈرائنگ روم سے رخصت ہو گئیں۔ وہ بہت صفائی پسند تھیں اور صفائی کے معاملے میں ذرا سی بھی کوتاہی برداشت نہیں کرتی تھیں۔

***

”آپ نے اپنے دوست اختر صاحب کی بیوی اور اُس کے کام دیکھے ہیں ؟ بالکل پھوہڑ ہیں۔ کھانے اتنے بدذائقہ بناتی ہے کہ اُف۔۔۔ !“ نزہت بیگم بڑا سا منہ بنا کر اپنے شوہر ارتضٰی سے کہہ رہی تھیں۔ ”صفائی بھی ڈھنگ سے کرنی نہیں آتی اُس کو، بچوں کا خیال تو رکھتی ہی نہیں، بے چارے بچے ہر وقت گندے مندے پھرتے رہتے ہیں۔“

”بیگم آپ اُس کی غیبت کر رہی ہیں جو کہ بالکل بھی اچھی بات نہیں ہے !“ ارتضٰی صاحب نے کچھ ترش لہجے میں کہا۔ ”لیں اور سنیں !“ وہ شوہر کو زہر خند نظروں سے دیکھنے لگیں۔ ”میں تو ایسے ہی کہہ رہی تھی، ہونہہ۔۔۔ ! ذرا سی بات کیا کہہ دوں، جناب وعظ و نصیحت شروع کر دیتے ہیں۔“

”ہونہہ ! ایسے ہی کہہ رہی تھی ؟“ ”ایسے کہیں یا ویسے ؟ کر تو آپ غیبت ہی رہی تھیں اُس کی !“ ارتضٰی صاحب کے چہرے پر یک دم ناگواری کے تاثرات چھا گئے۔

”معلوم نہیں آپ کو میری بات پر مرچیں کیوں لگ جاتی ہیں“ وہ غصے سے وہاں سے چلی گئیں۔

***

”ہے کوئی جو ہمارا مقابلہ کر سکے ؟ ماشاء اللہ !“ بڑا سا بنگلا ہے ہمارا اور نوکروں کی پوری فوج، 6 گاڑیاں وہ بھی مہنگی مہنگی، بڑا بیٹا ڈاکٹر ہے تو دوسرا انجینئر اور اب بیٹی ہیڈ مسٹریس لگنے والی ہے سرکاری اسکول میں۔“ نزہت بیگم کے لہجے میں غرور بول رہا تھا۔ سامنے بیٹھی اُن کی غریب نند کنول ہلکا ہلکا مسکرا رہی تھی۔ کنول سمجھ گئی تھی کہ نزہت بیگم اُسے احساس کمتری میں مبتلا کر دینے کے لیے یہ سب کہہ رہی تھیں۔

”ویسے میں اپنے بچوں اور دولت کا صدقہ اتارتی رہتی ہوں، نظر لگ جاتی ہے نا ! اور آج کل تو ”اپنے“ بھی خوش نہیں دیکھ سکتے۔“ وہ کنول کو زہر خند نظروں سے دیکھ دیکھ کر سنا رہی تھیں۔ کنول ضبط کیے بیٹھی رہی، اسی دوران شکیلہ چائے لے آئی۔

”شکیلہ ! جب کنول چائے پی کر چلی جائے تو دروازہ بند کر دینا اچھی طرح سے، آج کل چوری چکاری بہت بڑھ گئی ہے۔“ وہ کہہ کر چلی گئیں۔

جب کنول چائے پی کر چلی جائے ! کنول اس جملے پر بری طرح سے چونکی تھی۔ یعنی نزہت بیگم نے اُسے دبے لفظوں میں جانے کا اشارہ دے دیا تھا۔ قریب ہی کمرے میں بیٹھے ارتضٰی صاحب یہ ساری باتیں سن چکے تھے، جبکہ انھیں نزہت بیگم پر افسوس جبکہ کنول پر ترس آرہا تھا۔ وہ اُس کی دل جوئی کو اُس کے پاس آ گئے۔ ”کنول ! نزہت کی باتوں کا برا نہ منانا، وہ ہے ہی ایسی۔“ وہ شرمندگی کے باعث کنول کا سامنا نہیں کر پا رہے تھے۔

”ارے نہیں بھائی صاحب ! میں جانتی ہوں بھابھی کی فطرت کو۔“ دھیمے مزاج والی کنول ہنس کر کہہ رہی تھی۔ کنول کے جانے کے بعد نزہت بیگم نے ڈرائنگ روم کی صفائی شروع کروا دی تھی۔

”بہت افسوس کی بات ہے نزہت بیگم ! آپ ظاہری صفائی کا خاص خیال رکھتی ہیں، مگر اپنے اندر کو صاف نہیں رکھتیں، بنگلے کو آپ نے خوب چمکایا ہوا ہے، مگر آپ کا اندر غیبت، غرور وغیرہ کی گندگی کی وجہ سے بے حد گندا ہے۔“ ارتضٰی صاحب صفائی کرواتی بیگم کو کہہ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔



بقیہ

# انوکھا علاج

انھوں نے بار بار پوچھی۔ زہیم تنگ ہوئے بغیر آرام سے سب سوالات کے جوابات دیتا رہا۔ اسے یہاں آکر بہت سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی باتوں نے اس کی پریشانی اور اندر کا ڈر خوف کسی حد تک مٹا دیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے چند ہدایات دی تھیں۔ واپسی پر شبیر احمد اسے بازار لے آئے۔ جہاں سے چند ضروری چیزیں خریدی گئیں، جنہیں لینے کی ڈاکٹر صاحب نے خاص تاکید کی تھی اور پھر زہیم اور شبیر احمد دکان پر واپس آ گئے۔

***

سائیکالوجسٹ کے ایک سیشن کے بعد ہی سفید سایہ زہیم کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ وہ بن بلائی پریشانی سے جان چھٹنے پر بہت خوش تھا، اگر شبیر احمد اسے ارشد جاوید کے پاس نہ لے جاتے تو زہیم شاید ڈر کے مارے ختم ہی ہو جاتا۔

سفید سایہ کوئی ماورائی مخلوق نہیں، بلکہ زہیم کے نئے جوتے تھے۔ خاموشی میں جوتے ایسی آواز دیتے تھے، جیسے کوئی پیچھے دبے پاؤں آرہا ہو۔

ارشد جاوید کا کمرہ ساونڈ پروف تھا۔ زہیم جب دروازے سے ان کی میز کے سامنے رکھے صوفے تک آیا تو وہ چاپ ارشد جاوید سن چکے تھے اور زہیم کا مسئلہ سنتے ہی وہ ساری بات سمجھ گئے۔ انھوں نے زہیم کو جوتے بدلنے کے لیے کہا۔

سفید سایہ نظر کیوں آیا ؟ اس کے پیچھے یہ وجہ تھی کہ رات کو پڑھنے کی وجہ سے جو نظر پر اثر پڑتا ہے، اس کے ردِّ عمل کے طور پر اندھیرے میں بھی بعض لوگوں کو سائے سے نظر آنے لگتے ہیں۔

باتوں باتوں میں ارشد جاوید یہ بھی جان چکے تھے کہ زہیم کو ہارر کہانیوں کا بے حد شوق تھا۔ ماورائی مخلوقات کا تصور اس کے دماغ میں نقش ہو گیا تھا اور اسی وجہ سے جوتے کا معمولی نقص اس کے لیے وبالِ جان بن گیا تھا۔ اس کے ذہن نے کہانی گھڑ لی تھی اور وہ اسی کہانی کے زیرِ اثر وہم کا شکار ہو گیا تھا۔ زہیم نے خوف ناک تحریریں پڑھنے سے اجتناب کرنا شروع کر دیا۔ شبیر احمد نے اس کی نظر چیک کروائی اور عینک بھی بنوا دی۔ وہم کے اس انوکھے علاج کی بدولت زہیم بہت بڑی پریشانی سے چھٹکارا پا چکا تھا۔

# کچھوے

فوزیہ خلیل

عکاشہ کے پاس بہت سے پالتو جانور تھے۔ بلی، کبوتر، چڑیا، بکری وغیرہ۔ اُس کو جانور اور پرندے پالنے کا بہت شوق تھا۔ وہ نہ صرف جانوروں کو پالتا تھا بلکہ اُن کا بہترین خیال بھی رکھتا تھا۔

اُس دن عکاشہ اپنے جانوروں کو کھانا ڈال رہا تھا کہ حاشر بھائی آگئے۔ حاشر بھائی اُن کی خالہ جان کے بیٹے تھے۔ حاشر بھائی سارے جانور اور پرندے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

"عکاشہ! تمہارے پاس بہت سے جانور ہیں، اب تم ایسا کرو ایک کچھوا بھی پال لو۔" حاشر بھائی بولے۔

"کچھوا۔۔۔ بھلا یہ کوئی پالتو جانور ہے؟" عکاشہ حیرت سے بولا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔۔۔ مغربی ممالک میں تو کچھوؤں کو پالتو بلی اور کتے وغیرہ کی طرح گھروں میں رکھنے کا رواج عام ہے۔" "مگر۔۔۔ میں نے سنا ہے کہ پالتو کچھوے جلدی مر جاتے ہیں۔" عکاشہ کے بھائی خزیمہ نے کہا۔

"اس کی بھی وجہ ہے۔ عام طور پر لوگ کچھوؤں کی بیماریوں سے واقف نہیں ہوتے۔ ان کی غذائی ضروریات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ دراصل پالتو کچھوے دیگر پالتو جانوروں جیسے بلی، کتے وغیرہ کی طرح اپنی موجودگی کا احساس بھی نہیں دلا سکتے۔ یوں پالتو کچھوے ہماری عدم توجہی اور لاپروائی کی وجہ سے مرتے ہیں۔" حاشر بھائی بولے۔

"یعنی اگر ان کو پوری دل چسپی اور اچھی دیکھ بھال کے ساتھ پالا جائے تو یہ زندہ رہتے ہیں۔" خزیمہ بولا۔

"ہاں۔۔۔ یہ اپنے مالک سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں۔ ان کا حافظہ اچھا ہوتا ہے۔ چیزیں پہچان لیتے ہیں۔ چڑیا گھروں میں یا پالتو رہنے والے کچھوے تو اپنی خوراک کے نظام الاوقات کو بھی یاد رکھتے ہیں۔" حاشر بھائی نے کہا۔

"آپ نے کہا کہ یہ پالتو حالت میں جلد مر جاتے ہیں تو کیا یہ قدرتی ماحول میں لمبے عرصے تک جیتے ہیں؟" عکاشہ نے پوچھا۔

"قدرتی ماحول میں کچھوؤں کے دشمنوں کی کوئی کمی نہیں ہوتی۔ جنگلی کتے، لومڑیاں، گیدڑ، چیل، کوے، پانی کی بلیاں وغیرہ کچھوے کے انڈے کھانے کے شوقین ہیں۔ یہ زمین یا ریت سے کھود کر کچھوے کے انڈے نکال لیتے ہیں۔ بعض لوگ بھی کچھوے کے انڈے نکال لیتے ہیں اور جب کچھوے کے انڈوں میں سے بچے نکلتے ہیں تو پانی میں گوشت خور مچھلیاں اُن پر حملہ آور ہو جاتی ہیں تو وہ اس طرح حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ عام طور پر کچھوے بالغ نہیں ہو پاتے، کہتے ہیں ہر سو میں سے ننانوے کسی نہ کسی مرحلے پر موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔" "اوہ۔۔۔ یہ شرح تو بہت کم ہے۔" عکاشہ کے منہ سے نکلا۔ "حاشر بھائی! کچھوے کہاں انڈے دیتے ہیں؟" "تمام کچھوے زمین پر انڈے دیتے ہیں۔ انڈے دینے سے قبل یہ نرم زمین یا ریت پر گڑھا تیار کرتے ہیں اور پھر اُس کے بیچ میں مادہ کچھوا انڈے دیتی ہے۔ انڈے دینے کے بعد اوپر سے مٹی یا ریت ڈال کر ڈھانک دیتی ہے۔ نر کچھوا تو ایک بار پانی میں داخل ہونے کے بعد ساحل پر پھر نہیں آتا۔ البتہ مادہ انڈے دینے کے لیے آتی ہے۔ اس طرح ساحل سمندر پر کچھوؤں کا آنا، زمین کھودنا، انڈے دینا، ڈھانکنا سارا سال چلتا رہتا ہے۔" حاشر بھائی نے تفصیل سے بتایا۔ "یہ ایک وقت میں کتنے انڈے دیتی ہے؟" خزیمہ نے پوچھا۔

"بعض سمندری کچھوے تو ایک وقت میں سو انڈے بھی دے لیتی ہیں۔ بعض کم بھی دیتی ہیں۔" "حاشر بھائی! کچھوے کے اوپر ایک ڈبہ سا بنا ہوتا ہے نا!" عکاشہ نے پوچھا تو سب ہنسنے لگے۔

"یہ ایک خول ہوتا ہے جو مختلف کچھوؤں میں مختلف ہوتا ہے۔ پاکستان کے کچھوؤں میں ان کا سارا جسم ہڈیوں کے خول میں بند ہوتا ہے، صرف ٹھوڑی، گردن، سر، ٹانگیں اور بازو نظر آتے ہیں، لیکن جوں ہی کچھوے کوئی خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ خول میں بند ہو کر اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔" حاشر بھائی نے بتایا۔

"کیا سبھی کچھوؤں کے خول کا اوپری حصہ ہڈی کا ہوتا ہے؟" خزیمہ نے دریافت کیا۔ "نہیں نہیں۔۔۔ کچھ میں ہڈی نہیں ہوتی بلکہ اُن کا خول موٹے چمڑے سے کچھ ملتا جلتا ہوتا ہے۔ بہت سے کچھوؤں کے خول پر کئی قسم کے ابھار، لکیریں، پٹیاں، دھاریاں یا دھبے ہوتے ہیں۔"

"کچھ کچھوے زمین پر اور کچھ سمندر میں رہتے ہیں کیا؟" عکاشہ نے پوچھا۔

"زمینی کچھوے (Tortoise) تالابوں، دلدلوں اور جوہڑوں کے ان حصوں میں ہوتے ہیں، جہاں نباتات ہوں۔ کچھ جھیلوں اور ندی نالوں میں بھی پائے جاتے ہیں، جب کہ پاکستان کا سبز کچھوا (Green turtle) تو ہمیشہ کھلے سمندر میں رہتا ہے۔ اس کی مادہ ساحل پر صرف انڈے دینے آتی ہے۔"

عکاشہ کے جانور اور پرندے اپنا کھانا کھا چکے تھے۔ کھانے اور پینے کے برتن جگہ پر رکھ کر سب صحن میں آبیٹھے۔

"کچھوے کی خوراک کیا ہے؟" عکاشہ نے پوچھا۔

"پانی کے کچھوے حیوانی اور نباتاتی دونوں اجزا کھاتے ہیں۔ سبز کچھوا صرف سمندری پودے کھاتا ہے۔ دلدلوں کے کچھوے کیڑے مکوڑے، لاروے، مینڈک اور مچھلیوں کے بچے کھاتے ہیں۔" حاشر بھائی بولے۔

"حاشر بھائی۔۔۔ میں نے سنا ہے زمینی کچھوے میں سے کچھ بالکل میدانی یا نیم ریگستانی یا پہاڑی ڈھلوانوں پر جھاڑیوں میں بھی رہتے ہیں۔" خزیمہ نے کہا۔

"ہاں تم نے ٹھیک سنا ہے۔ کچھوؤں کی تو دنیا میں ساڑھے تین سو کے قریب اقسام ہیں۔ یہ ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔" "آج کچھوؤں کے بارے میں جان کر بہت اچھا لگا۔" خزیمہ نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں۔۔۔ یہ چھپکلی، سانپ اور مگرمچھ سے قریبی تعلق رکھتے ہیں اور عادات واطوار میں ان سے ملتے جلتے ہیں۔" حاشر بھائی بولے۔

"جزاک اللہ خیراً، حاشر بھائی! اب میں کچھوے ضرور پالوں گا اور ان کا بہت خیال رکھوں گا ان شاء اللہ۔" عکاشہ بولا۔

"بارک اللہ۔"

# ننھی خرگوشنی

نشاوقار

ننھی خرگوشنی آج اسکول جاتے ہوئے بہت خوش تھی، کیوں کہ آج اس کو اس کی ماما نے آتشی رنگ کے موزے، ہلکے گلابی رنگ کا سوئیٹر، آتشی اور سرمئی رنگ کا ٹوپا پہنایا تھا۔ سفید رنگ کی گول گوتھنی سی خرگوشنی کو گلابی رنگ پسند بھی بہت تھا، اس پر اس کی ماما نے جب اسے سرمئی اور آتشی کلر کے جوگرز پہنائے تو ننھی خرگوشنی خوشی سے نہال ہو گئی اور جلدی جلدی ماما، پاپا کو اللہ حافظ کہہ کر اسکول کی جانب چل دی۔ سرسبز پھولوں سے لدے ہوئے پودوں اور رسیلے پھلوں کے بڑے بڑے درختوں کے درمیان سے گزر کر میٹھے پانی کی جھیل کے اس پار گاجر کے پودے ایک قطار میں لگے ہوئے تھے۔ بس وہاں سے بائیں جانب ننھی خرگوشنی کا اسکول تھا۔ ابر آلود موسم میں جنگل کی خوب صورتی اپنے عروج پر تھی۔ کل رات ہی موسمِ سرما کی پہلی بارش ہوئی تھی، جس کی وجہ سے پورا جنگل نکھر سا گیا تھا۔ ایک تو اپنے پسند کے کپڑے اور دوسری طرف موسم کی خوب صورتی نے ننھی خرگوشنی کے موڈ کو بہت خوش گوار بنا دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ ناچتی گاتی اچھلتی کودتی سرشار سی اسکول پہنچی تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اسکول کے کھڑوس ہیڈ ماسٹر شیر خان آج انتہائی خوش گوار موڈ میں اسمبلی میں کھڑے تھے، جس کا مطلب تھا کہ آج کوئی ضروری اعلان متوقع ہے، اسی لیے آج وہ اسمبلی میں اعلان کرنے والی جگہ پر کھڑے تھے۔ جنگل کا ترانہ جیسے ہی ختم ہوا اور تمام جانور قطار در قطار اپنی اپنی جماعتوں کی طرف جانے کے لیے مڑے تو ہیڈ ماسٹر شیر خان نے انھیں ٹھہرنے کے لیے کہا اور مائیک اٹھا کر اپنا گلا کھنکارنے لگے۔

"پیارے جانورو! جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ آج موسم بہت خوش گوار ہے تو کیوں نہ آج جنگل میں منگل کیا جائے۔" ہیڈ ماسٹر شیر خان نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا جس سے قطاروں میں کھڑے تمام جانوروں میں چہ می گوئیاں شروع ہو گئیں۔ "جنگل میں منگل۔۔۔ کیا مطلب سر؟ میں کچھ سمجھی نہیں۔" ننھی گلہری سے حسبِ توقع خاموش نہ رہا گیا تو جھٹ سے بول پڑی، لیکن جانوروں کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہیڈ ماسٹر شیر خان نے ڈانٹنے کے بجائے گلہری کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا: "میرے پاگرے جانورو! آج ہم پڑھیں گے نہیں بلکہ آج ہم جنگل کی سیر کو جائیں گے اور جنگل میں کریں گے منگل!! لیکن یاد رہے! سب جانوروں کو نظم و ضبط کا خاص خیال رکھنا ہے اور کوئی بھی جانور جنگل میں اکیلا اِدھر سے اُدھر نہیں نکلے گا، سب جانور اپنے استاد کے ساتھ اپنے اپنے گروپ میں رہیں گے۔" شیر خان نے اعلان ختم کیا تو اسکول کے تمام جانوروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سب جانور اپنے اساتذہ کے ہم راہ جنگل کی سیر کے لیے روانہ ہو گئے۔ رات ہونے والی بارش کی وجہ سے پورا جنگل سرسبز و شاداب ہو رہا تھا۔ جنگلی پھلوں اور پھولوں کی خوش بو ہر سو بکھری ہوئی تھی۔ میٹھے پانی کی جھیل میں آس پاس کے درختوں کے پھول گر کر اس کی خوب صورتی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ بطخوں کے بچے خوشی سے غوطے لگا رہے تھے۔ بگلے جھیل کے پانی سے شرارتیں کرتے ہوئے اِدھر سے اُدھر اُڑتے پھر رہے تھے۔ ہر سو خوشی ہی خوشی دکھائی دے رہی تھی کہ اتنے میں ننھی خرگوشنی کو کسی جانور کی تکلیف سے کراہنے کی آواز آئی، وہ جو جنگل کی سیر سے لطف اندوز ہو رہی تھی کہ اچانک ڈر کر پیچھے ہٹی اور خوف زدہ نظروں سے جھاڑیوں کے جھنڈ کی طرف دیکھنے لگی، جہاں سے یہ آواز آ رہی تھی، کہیں کوئی شکاری تو نہیں جو جال ڈال کر اسے پکڑنا چاہ رہا ہو۔ یہ سوچ کر ننھی خرگوشنی دو قدم اور پیچھے ہٹ گئی، لیکن جب کافی دیر تک جھاڑیوں سے کوئی نہیں نکلا اور کراہنے کی آواز مستقل آتی رہی تو خرگوشنی کو یقین ہو گیا کہ کوئی جانور تکلیف میں ہے۔ وہ دوڑتی ہوئی اپنی استانی مس لومڑی کے پاس پہنچی اور انھیں سارا ماجرا سنایا کیوں کہ اس کے ماما پاپا نے اسے منع کیا تھا چاہے کچھ بھی ہو جائے، آپ کوئی کام اکیلے نہیں کرو گی، چاہے وہ کسی کی مدد ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے وہ مس لومڑی کو لے کر جھاڑیوں کی جھنڈ کی طرف آئی تو دیکھا وہاں ایک بکری زخمی حالت میں پڑی سردی اور تکلیف سے کراہ رہی تھی۔ اس کا پاؤں بری طرح جھاڑیوں میں پھنسا ہوا تھا۔ مس لومڑی نے بکری کی جب یہ حالت دیکھی تو جلدی جلدی شیر خان اور دوسرے اساتذہ کو بلایا۔ سب سے پہلے مس چوہیا نے جھاڑیوں کو کتر کتر کر بکری کے پاؤں کو جھاڑیوں سے آزاد کرایا اس طرح جس جانور سے جو ہو سکا اس نے کیا اور اسے اس کے گھر تک پہنچایا، جہاں اس کے چھوٹے چھوٹے بچے اس کے لیے پریشان ہو رہے تھے۔ ان سارے کاموں میں شام ہو گئی تو سارے جانور اندھیرا پھیلنے سے پہلے اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔ ننھی خرگوشنی جب گھر پہنچی تو اس کو دیکھ کر ماما حیران رہ گئی۔ "کیا بات ہے بیٹا! کیا جنگل کی سیر پر مزہ نہیں آیا جو اتنی تھکی تھکی اور افسردہ لگ رہی ہو؟" "نہیں ماما ایسی کوئی بات نہیں ہے، جنگل کی سیر پر تو بہت مزہ آیا۔" یہ کہہ کر ننھی خرگوشنی سردی سے کانپتے ہوئے اپنے گرم گرم بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں ماما گاجر کا مزے دار سوپ لے کر آ گئی اور ننھی خرگوشنی کو اپنی گود میں بیٹھا کر آہستہ آہستہ پلانے لگیں۔ "کیا بات ہے؟ میرا بچہ آج اتنا چپ چپ کیوں ہے؟" ماما نے خلافِ معمول جب ننھی خرگوشنی کو چپ چپ دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکی۔ "ماما ایک بات کہنی تھی آپ سے، آپ ڈانٹیں گی تو نہیں؟" "نہیں۔" خرگوشنی نے کچھ بتانے سے پہلے ماں سے وعدہ لیا کہ وہ اسے ڈانٹیں گی نہیں۔ "نہیں میرا بچہ، بالکل نہیں ڈانٹوں گی، بتاؤ کیا بات کرنی ہے؟" ماما نے پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔ "ماما! وہ میں نے اپنا گلابی سوئیٹر، موزے اور ٹوپا بکری کے بچے کو دے دیا، اسے بہت سردی لگ رہی تھی نا اور ان کے گھر میں گرم بستر بھی نہیں تھے، جو وہ بستر میں گھس کر سردی سے بچ سکتے۔ میرے پاس تو گرم بستر ہے نا سردی سے بچنے کے لیے۔" ننھی خرگوشنی نے آنکھیں بند

# فیصلہ

ام محمد مصطفیٰ

"آلو، لے لو، بھنڈی لے لو، ٹماٹر لے لو۔۔۔۔" سلیم عرف سلو اپنی باریک سی آواز میں گلی میں صدا لگاتا پھر رہا تھا۔۔ ریڑھی کو زور دے کر آگے بڑھانے سے تیرہ سالہ سلو کی سانسیں پھول رہی تھیں، لیکن کام تو آخر کرنا ہی تھا۔ "ارے سلو! ابا کہاں ہے تمہارا؟" حاتم بھائی سلو کو گاڑی گھسیٹتا دیکھ کر بولے۔ حاتم بھائی سلو کے والد کے مستقل گاہک تھے، سلو کے والد نفع کم رکھ کر مال اچھا فروخت کرتے تھے، اس لیے ان کے اکثر گاہک ایک بار چیز لیتے تو مستقل انہی سے لینے والے بن جاتے اور حاتم بھائی تو اب سلو کے والد کے دوست بن چکے تھے۔ "وہ چچا جان ابا کو کورونا ہو گیا ہے۔" سلو کی یہ بات کہتے کہتے ہچکی بندھ گئی۔ "کیا!!!" حاتم بھائی پریشانی سے بولے "احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہیں؟" "جی چچا جان! ابا دو دن سے کمرے میں بند ہیں، لیکن ہمارے گھر میں ایک کمرا اور صحن ہے، ہم سب صحن میں مشکل سے گزارا کر پا رہے ہیں۔" "ہسپتال لے جاؤ اپنے ابا کو۔" حاتم بھائی نے کہا تو سلو خوفزدہ ہو کر کہنے لگا: "نہیں نہیں!!" "وہاں تو کورونا کا سن کر ٹیکا لگا دیتے ہیں۔" سلو دہشت زدہ لہجے میں بولا۔

"بھئی کون سا ٹیکا؟" حاتم بھائی نے حیرت سے پوچھا۔ "موت کا" سلو ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں بھئی! یہ سب افواہیں ہیں اور کچھ نہیں۔" حاتم بھائی نے سلو کو سمجھایا۔

"نہیں چچا جان! ہمارے محلے کی پچھلی گلی میں دو لوگوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے، مائی سکینہ اور فیض چچا دونوں ہسپتال گئے اور پھر گھر پر ان کی میت آئی۔" سلو کو یہ بتاتے ہوئے جھرجھری آ گئی۔

"میں اپنے ابا کو کہیں نہیں لے جاؤں گا۔" سلو نے حتمی لہجے میں کہا۔

"نہیں بیٹا! یہ سب پروپیگنڈہ ہے، اس وبا کے اثرات سے مریض کی حالت شدید بگڑ جاتی ہے، ہسپتال میں ڈاکٹروں کی نگرانی میں علاج ہوتا رہتا ہے، تم سمجھنے کی کوشش کرو میری بات کو۔" حاتم چچا نے تفصیل سے سمجھایا۔ "آپ میرے ساتھ چلو، میرے کئی جاننے والے ہیں سرکاری ہسپتال میں۔ میں بات کروں گا وہاں ڈاکٹر سے۔" سلو، حاتم چچا کی باتیں سن کر تذبذب کا شکار ہو گیا۔

"اچھا! میں گھر میں مشورہ کر کے بتاؤں گا۔" سلو نے چچا کو ٹالا۔ حاتم چچا بھی بات کو سمجھ گئے، اس لیے خاموشی سے سبزی خرید کر چلے گئے۔ سلو سارا راستہ گومگو کیفیت میں رہا۔ شام کو تھکا ہارا ریڑھی کھینچتا گھر پہنچا تو اماں کو روتا ہوا پایا۔

"اماں کیا ہوا؟" سلو دوڑ کر اماں کے پاس پہنچا۔

"تمہارے ابا کو صبح سے الٹیاں آ رہی ہیں، بہت حالت بگڑ رہی ہے، نہ ہم ان کو ہاتھ لگا سکتے ہیں، نہ قریب جا سکتے ہیں، یہ کیسی بیماری ہے؟ اب مجھ سے نہیں رہا جاتا، میں ان کے کمرے میں جا کر ان کے تمام کام کروں گی۔" اماں نے فیصلہ سنا دیا۔

"نہیں، نہیں اماں! تمہیں بھی ابا کی طرح یہ بیماری چمٹ گئی تو ہم سب کو کون دیکھے گا، تم رُکو! میں کچھ کرتا ہوں۔" سلو نے کچھ سوچتے ہوئے اماں کو روکا اور اب اس کے قدم حاتم چچا کے گھر کی جانب تیزی سے بڑھ رہے تھے۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ علاج بہر حال ضروری ہے، پھر آگے اللہ کی منشا ہے۔

کر کے ایک ہی سانس میں بکری والا سارا قصہ جلدی جلدی ماں کو سنا دیا، کہیں ماما ناراض نہ ہو جائیں، کیوں کہ وہ گلابی گرم کپڑے اسے اس کی نانو نے اسے تحفے میں دیے تھے، لیکن یہ کیا ماما نے ناراض ہونے کے بجائے ننھی خرگوشنی کو گلے لگا کر چٹاچٹ ڈھیر سارا پیار کر ڈالا، جس نے بکری کے بچے کو سردی سے بچانے کے لیے اپنے پسندیدہ کپڑے دے دیے تھے اور خود سردی سے کانپتی ہوئی گھر پہنچی تھی۔ ننھی خرگوشنی کی نرم دلی اور دوسروں کا احساس اس کے ماما پاپا کو اتنا پسند آیا کہ اگلے دن ہی وہ لوگ زخمی بکری کے گھر گرم کپڑے، گرم بستر اور کھانے پینے کا سامان لے کر پہنچ گئے۔ بکری کے بچے بھوک سے بلک رہے تھے، کھانے کو دیکھ کر کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ ننھی خرگوشنی کے پاپا چوں کہ خود ڈاکٹر تھے، اس لیے بکری کے زخموں کی مرہم پٹی کر کے اسے گرم گرم شہد پلایا تو تھوڑی ہی دیر میں دواؤں کے زیرِ اثر بکری گرم بستر پر لیٹ کر سو گئی، بچوں کو جب پیٹ بھر کھانا اور گرم بستر ملا تو وہ بھی فوراً ماں کے ساتھ ہی سو گئے۔ "اللہ جانے بے چارے کب سے بھوکے تھے، اگر ننھی خرگوشنی مجھے نہ بتاتی تو ہمیں تو پتا بھی نہیں چلتا اور یہ بچارے تڑپ تڑپ کر سردی اور بھوک سے مر جاتے۔" ماما نے آہستگی سے بکری کے گھر کا دروازہ بند کیا اور ننھی خرگوشنی کے پاپا کو دیکھ کر افسردگی سے کہنے لگی: "بس آج سے ہم عہد کرتے ہیں جب بھی بارشیں ہوں گی یا سردی گرمی اپنی انتہا پر ہو گی تو ہم اپنے آس پاس بسنے والے جانوروں پر نظر رکھیں گے، تاکہ مشکل حالت میں بروقت ان کی مدد کر سکیں۔" ننھی خرگوشنی کے پاپا نے ایک عزم سے کہا اور اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے، جہاں ان کے بچے آتش دان کے پاس بیٹھ کر اپنے اسکول کا کام کر رہے تھے اور ننھی خرگوشنی علّامہ اقبالؒ کی نظم کا یہ شعر زور، زور سے پڑھ رہی تھی:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

# بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے محمد سائح علی کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

عفراء علوی

عنشہ احمد کراچی

ام ہانی کراچی

سارہ جنید معہد الخلیل کراچی

حذیفہ عبدالباسط، اسکولنگ سسٹم گلشن اقبال کراچی

عدن مشتاق، 8 سال عبداللہ پبلک اسکول پیر محل

عائزہ شاہد دی نالج اکیڈمی

محمد عویر علی

# پیارے بچو!

یہ ربیع الاول کا مہینا ہے
کیا آپ کو معلوم ہے کہ ربیع کے کیا معنی ہیں۔۔۔؟
ربیع کے معنی بہار کے ہیں۔۔۔
اور کیوں ہیں۔۔۔؟اس لیے کہ ہمارے پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیع الاول کے مہینے میں آمد۔۔۔ہمارے لیے بہار جیسی ہے۔۔۔
ہمارے پیارے نبی۔۔۔جیسے خزاں میں بہار بن کر آئے۔۔۔
اتنے اعلیٰ ارفع اخلاق والے۔۔۔
سب کو معاف کرنے والے۔۔درگزر کا معاملہ کرنے والے۔۔۔
سخت سے سخت دشمن کو بھی کبھی بددعا نہ دی۔۔۔
ہمارے لیے نمونہ بن کے آئے۔۔۔
ہمارا کام یہ ہے کہ ہم پیارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنتوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے اخلاق بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم والے بنائیں۔۔۔
اگر کسی کی بات بری لگے تو کچھ کہنے کی بجائے اسے معاف کردیں۔۔۔۔
کسی کی برائی معلوم ہو جائے۔۔۔۔تو اس کی پردہ پوشی کریں۔۔۔اس طرح کر کے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا ثبوت دیں۔۔
اور ہم بھی لوگوں کے لیے بہار کی صورت بن جائیں۔۔۔
کرتے ہیں نا پیارے بچے وعدہ۔۔۔۔

## اکتوبر 2021ء کے سوالات

سوال 1: نعیم صاحب نے کیا بھجوایا تھا۔۔
سوال 2: پرنسپل صاحب کے سوال کہ 'کون سی راہ کا انتخاب ہو' بچوں نے کیا جواب دیا۔۔۔
سوال 3: دادا جان سعد کو لے کر جس علاقے میں پہنچے، وہاں جشن آزادی کس طرح منا رہے تھے؟
سوال 4: کون سی مچھلی آئنہ میں دیکھ کہ خود کو پہچان لیتی ہے۔۔۔؟
سوال 5: تحریم نے ایمان کو کیا ہدیہ دیا۔۔

## جولائی 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: چالیس ہزار مسل ہوتے ہیں
جواب نمبر 2: مانو کی بیٹیوں کے نام اسٹیلا اور بیلا تھے
جواب نمبر 3: ٹڈی ڈل جون جولائی میں سندھ کا رخ کرتے ہیں
جواب نمبر 4: بازار کی چیزیں اور پیزا کھانے کی وجہ سے
جواب نمبر 5: احمر نے احمد کے تحفوں سے غریب بچوں کی مدد کی

## جولائی 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

فریحہ نعیم کو شاباش
انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

## بلا عنوان کا عنوان

جولائی 2021 فروا مشتاق کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے آملہ نور کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔
انہوں نے عنوان دیا ہے
"دور کے ڈھول سہانے"
انہیں 300 روپے مبارک ہوں

## سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں
یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں
03162339088

# اخلاق آپ ﷺ کے

جوہر عباد

سب سے بلند تر ہیں اخلاق آپ کے
اعلیٰ و بہترین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

جس سے ملے وہ آپ ﷺ کا گرویدہ ہوگیا
عمدہ و دل نشین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

دشمن بھی پاس آکے بنے دوست جاں فدا
سوچوں سے بھی حسین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

سچائی، دیانت میں جو ضرب المثل ٹھہرے
وہ صادق الامین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

جس نے ستایا اُس کے لیے بھی دعائیں کیں
ناقابل یقین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

رب نے کہا "وانک لعلی خلق عظیم"
مبشر و مبین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

دیتی ہے کیا مٹھاس حدیثوں کی چاشنی
میٹھے، نرم، شیریں ہیں ﷺ کے

تازہ رہے گی تا حشر گفتار کی مہکار
خوشبوئے عنبرین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

ہیں مطمئن جو کرتے ہیں سنّت کی پیروی
دیتے عجب تسکین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

سورۂ محمد و مزمل و مدثّر
طٰہٰ کہیں یٰسین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

جوہرؔ بناؤ اپنا خلق مثلِ پیغمبر ﷺ
کہ فخرِ مسلمین ہیں اخلاق آپ ﷺ کے

# بیٹی

ارسلان اللہ خان

بیٹیوں کی ہے لوگو بہت اہمیت
اُن کی اچھی سے اچھی کرو تربیت

ہوتی بیٹی تو کرتے بہت رنج و غم
مُشرکینِ عرب اُن پہ کرتے ستم

بیٹیوں کو بچایا ہے اسلام نے
اُن کو جینا سکھایا ہے اسلام نے

میرے سرکار کی چار تھیں بیٹیاں
آپ سب ہی کو محبوب رکھتے سدا

خاص کر فاطمہؓ تھیں بہت لاڈلی
سب سے چھوٹی جو بیٹی تھیں سرکار کی

اپنی بیٹی کی جو پرورش کر سکا
خُلد میں پائے گا قُربِ سرکار کا

اُن کو سکھلاؤ تُم سیرتِ عائشہؓ
تاکہ وہ بن سکیں مُتّقی، باصفا

علم کی خوب رغبت دلاؤ اُنھیں
فاطمہؓ کی قناعت سکھاؤ اُنھیں

اُن کو مغرب سے ہر گز نہ رغبت رہے
اُن کو اُلفت ہو بس اپنے اسلام سے

نہ کوئی عار ہو گھر کے کاموں میں بھی
سُرخُرو ہوں وہ سب امتحانوں میں بھی

اُن کو سکھلاؤ تُم نت نئے سب ہُنر
تاکہ وہ بن سکیں خوب سے خوب تر

سامنے فکرِ مغرب کی یلغار ہے
اس سے بچنا حقیقت میں دُشوار ہے

بیٹیو! ہیں نبی شافعِ عاصیاں
اُن کے نقشِ قدم کو کرو حرزِ جاں

تُم نمازیں پڑھو اور قُرآن بھی
اور کرو ایک دوجے پہ احسان بھی

خوب پیارے محمد پہ بھیجو درود
تاکہ ہو رحمتوں برکتوں کا ورود

اپنی آواز میں رکھو شائستگی
اور غصہ نہ ہر گز کرو تم کبھی

جان لو تُم میں آئے نہ بالکل ریا
رکھو مدِّ نظر بس خُدا کی رضا

ہے تُمھاری حیا میں تمہارا کمال
اور مغرب کی تقلید میں ہے زوال

تُم کو محرم، نامحرم کی پہچان ہو
اس طرح زندگی خوب آسان ہو

گھر سے باہر اکیلی نہ جاؤ کبھی
ساتھ میں ایک محرم ہو، ہے لازمی

تُم مُسلمان ہو، تُم رہو باحجاب
اس کا تُم کو ملے گا بہت ہی ثواب

کاش ہر گھر کا ایسا یہاں ہو نظام
کہ کریں بیٹیوں کا سبھی احترام

رب سے ہے مانگتا یہ دُعا ارسلان
عافیت سے رہیں سب ہی کی بیٹیاں

# گلدستہ

ترتیب وپیش: عبدالرحمن چترالی، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

## روحانیت کی سیڑھی

اللہ تعالیٰ جس کو اپنا آپ یاد دلانا چاہتا ہے، اسے دکھ کا الیکٹرک شاک دے کر اپنی جانب متوجہ کر لیتا ہے۔ دکھ کی بھٹی سے نکل کر انسان دوسروں کے لیے نرم پڑ جاتا ہے، پھر اس سے نیک اعمال خود بخود اور بخوشی سرزد ہونے لگتے ہیں۔ دکھ تو روحانیت کی سیڑھی ہے۔ اس پر صابر و شاکر ہی چڑھ سکتے ہیں۔ (دست بستہ سے اقتباس مصنفہ: بانو قدسیہ)

## شاہراہِ سنت کی اہمیت اور فضیلت

جو شخص اس قدر حبیب ربِّ ذوالجلال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مضبوط و مستعد ہو گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی (دین اسلام کی) روشنی کو مشعلِ راہ بنائے گا، وہ اللہ رب العزت کی محبت کے دعوے میں اسی قدر سچا اور کھرا ہو گا، جس کا ثمرہ اس کو یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس سے محبت فرمائے گا اور اللہ کی محبت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ دونوں جہان میں ہر طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیوں کا ظہور ہو گا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع گناہوں کی مغفرت، جہنم سے بچنے اور جنت میں داخلے کا ذریعہ ہے تو پھر بندے کو اور کیا چاہیے!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ حُبَّکَ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃ۔۔۔ جس نے میری سنت کو محبوب رکھا، اس نے مجھ کو محبوب رکھا اور جس نے مجھ کو محبوب رکھا وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا۔

## بہترین ذمے دار اور اس کی علامات

- باریک بین، کاموں پر کنٹرول اور اپنے تمام کاموں سے خوب واقف ہو۔
- ریگولر اور ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنے والا ہو اور اپنے قول کے بجائے اپنے عمل سے اپنے عملے کی تربیت کرنے والا ہو۔
- روز کا کام اسی دن مکمل کرنے والا ہو اور افسوس اور اضطراب کا مالک نہ ہو۔
- کاموں کو ان کی اہمیت کے مطابق تقسیم کرنے والا ہو۔
- تابع دار، اپنے فیصلے پر پکا، مشورہ کرنے والا اور غور و فکر کرنے والا ہو۔
- لطیف مزاج، اچھے اخلاق کا مالک، طاقت ور ہو اور برے کاموں کے خلاف ایک تلوار ہو۔
- نہایت چست چالاک، حاضر دماغ، نظر رکھنے والا اور مہارت و عمدگی کو پسند کرنے والا ہو۔
- دوسروں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے والا، پُر سکون ماحول میں کام کرنے والا اور اپنی راحت کے وقت بھی کام کرنے والا ہو۔
- ایک غلطی بار بار دہرانے اور مایوسی و ناامیدی سے اجتناب کرنے والا ہو۔

## توکل

فرمایا: ہمارا تجربہ ہے کہ اللہ کا بندہ جب جنگل میں بھی توکل کر کے بیٹھ جائے اور اللہ اللہ کرے تو اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کو اس کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے اور غیب سے روزی پہنچاتا ہے، یہ تو ہمارے یقین کا فرق ہے۔ ایک مرید نے اپنے شیخ سے پوچھا: اگر مجھے ایک وقت روٹی نہ ملے تو پھر میں کیا کروں؟ فرمایا: فکر نہ کرو، دوسرے وقت ملے گی۔ اُس نے کہا کہ اگر دوسرے وقت بھی نہ ملے؟ فرمایا: فکر نہ کر، تیسرے وقت ملے گی۔ اُس نے کہا: اگر تیسرے وقت بھی نہ ملے تو فرمایا: تیرے توکّل میں کمی ہے، اللہ پر اعتماد نہیں ہے۔

## عافیت کا مطلب

حق تعالیٰ عافیت سے رکھے۔ آپ کے لیے وہ عافیت طلب کی جاتی ہے کہ ایک بزرگ ہمیشہ دعا کرتا تھا اور ایک دن کی عافیت کی آرزو کرتا تھا۔ ایک شخص نے اُس بزرگ سے پوچھا کہ یہ سب کچھ جو تو گزارتا ہے کیا عافیت نہیں ہے؟ اُس نے کہا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن صبح سے لے کر شام تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب نہ ہوں۔

## دو تربوز

حضرت تھانویؒ کی دو بیویاں تھیں، اولاد نہ تھی، لاولد تھے، ایک عقیدت مند نے دو تربوز ہدیۃً پیش کیے، شاید دو اس واسطے پیش کیے کہ بیویاں دو ہیں، دونوں کو ایک ایک دیں گے، وہ شخص ہدیہ دے کر چلا گیا تو حضرتؒ نے اپنے خادم کو بھیجا کہ چھری لاؤ اور دو پراتیں بھی لے آؤ، خادم نے کہا کہ حضرت دو پراتوں کا کیا کرنا ہے، فرمایا یہ تربوز برابر کاٹنے ہیں، آدھا اس میں سے اور آدھا اُس میں سے ایک بیوی کو دینا ہے اور آدھا اس میں سے اور آدھا اُس میں سے دوسری بیوی کو دینا ہے۔ خادم نے کہا حضرت ایک تربوز ایک بیوی کو اور دوسرا دوسری بیوی کو دے دیں۔ فرمایا: بیٹے بعض تربوز میٹھے ہوتے ہیں اور بعض پھیکے تو اگر ایک کا میٹھا اور دوسری کا پھیکا نکلا تو حق تلفی ہو گی، یہ درست نہیں ہے تو ایک کاٹ کر آدھا آدھا کر کے دیا، پھر دوسرا کاٹ کر آدھا آدھا کر کے دیا۔

جو اس طرح انصاف کر سکتا ہو، اس کو شریعت ایک سے زائد شادیاں کرنے کی اجازت دیتی ہے، ورنہ "فواحدۃً" پس ایک پر ہی گزارا کرے۔

(امام اہل السنۃ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ذخیرۃ الجنان ج2 ص334)

## داماد علی

سنہ 17 ہجری میں اپنی خلافت کے دور میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی صاحب زادی حضرت اُمّ کلثوم بنت فاطمہ الزہرہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ طلب کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے اپنی بیٹیوں کو جعفر کے بیٹوں کے لیے روک رکھا ہے۔"

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اے علی! مجھے اس کا رشتہ دے دیجیے۔ بخدا روئے زمین پر اس کے ساتھ حسنِ معاشرت میں مجھ سے بہتر کوئی نہیں ہو گا۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں نے رشتہ دے دیا، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُمّ کلثوم کو دس ہزار دینار مہر ادا کیا اور آپ فرمایا کرتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے: "قیامت کے روز تمام نسب اور رشتے ختم ہو جائیں گے، سوائے میرے تعلق، میرے نسب اور میرے رشتہ کے۔" اس لیے میں نے چاہا کہ میرا تعلق اور میرا رشتہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو جائے۔"

## نعت

ہر اک بیاں سے بلند اُسؐ کی شانِ رحمت ہے
وہؐ کل جہاں کے لیے آسمانِ رحمت ہے
اُسی کی ذاتِ گرامی کا سایہ مشفق
سرِ زمان و مکاں سائبانِ رحمت ہے
ہزار فلسفے آئے گئے زمانے میں
حرا کا نور بدستور کانِ رحمت ہے
اک ایک اُس کا عمل منبعِ فروغ و نمو
اک ایک اُس کا سخن گلستانِ رحمت ہے
تمام سوچ گروہوں میں اُس کی امتِ وسط
رہِ حیات پہ اک کاروانِ رحمت ہے
ہماری کشتیِ دل کو ہو فکرِ طوفاں کیا
ہمیں نصیب سدا بادبانِ رحمت ہے
ہر ایک عہد کے اپنے عذاب ہیں عالیؔ
رہِ نجات وہی آستانِ رحمت ہے

جلیل عالیؔ

## اشعار

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

مرزا غالب

یہ جبر بھی دیکھا ہے تاریخ کی نظروں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

مظفر رزمی

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبال

کبھی آہ لب پہ مچل گئی، کبھی اشک آنکھ سے ڈھل گئے
یہ تمہارے غم کے چراغ ہیں کبھی بجھ گئے کبھی جل گئے

رشید کامل

جہاں رہے گا، وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

وسیم بریلوی

## اسبابِ پریشانی

سبب اس کا یہ ہے کہ جتنی پریشانی ہوتی ہے، تعلق ماسوی اللہ سے ہوتی ہے اور جن لوگوں کو خدا سے تعلق نہیں ہے، وہ ہمیشہ پریشان رہتے ہیں اور وجہ ان کی اس پریشانی کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر امر کے متعلق ایک خاص تجویز اپنے ذہنوں میں تراش لیتے ہیں، جیسے شیخ چلّی کا تجویز کردہ خاندان تھا۔ تو ہم سب اس بلا میں مبتلا ہیں کہ ہر وقت بیٹھ کر یہ دھن لگایا کرتے ہیں کہ یوں تجارت ہوگی، اتنا نفع اس میں ہوگا، یوں ہم بینک میں روپیہ داخل کریں گے اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ ہر تمنّا پوری ہوتی نہیں تو سارے رنج کی بات یہ ہے کہ آرزو کرتا ہے اور وہ پوری ہوتی نہیں۔ کوئی دنیادار کسی وقت آرزو سے خالی نہیں ہے تو ہر وقت کسی نہ کسی تمنّا میں رہتا ہے اور تمنّا ہونا ضروری نہیں، اس سے پریشانی ہوتی ہے تو کوئی دنیادار پریشانی سے خالی نہیں اور اہل اللہ کی راحت کا راز یہ ہے کہ ہر کام انھوں نے مفوّض بحق کر دیا ہے۔ اپنی کچھ تجویز نہیں کرتے تو جو کچھ ہوتا ہے، ان کے لیے ایذا دہ نہیں ہوتا۔

## رزق کم ہو جائے تو!!!!!

اگر رزق کم زور ہو گیا ہو تو مہمانوں کو گھر میں بلاؤ، کھانا کھلاؤ، ان شاء اللہ! رزق کشادہ ہو جائے گا، جس کے گھر میں دستر خوان کھل گیا، اُس کا رزق کھل گیا۔ آپ بیمار پُرسی کریں تو کبھی بیمار نہیں ہوں گے۔ غریب آدمی اگر غریبوں کو آسرا دے دے تو سمجھو غریبی ختم ہو گئی۔ حضرت واصف علی واصفؒ

## علمی ترقی کی دو باتیں

شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا محمد اعزاز علیؒ المتوفی 1374ھ لکھتے ہیں:
حضرت امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ جس علمی مرتبہ تک پہنچے ہیں، یہ کیسے پہنچے ہیں؟ تو انھوں نے فرمایا:
(1) مَابَخِلتُ بِالاِفَادَۃِ، میں نے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کنجوسی نہیں کی۔
(2) وَمَا اسْتَنْکَفْتُ عَنِ الاِسْتِفَادَۃِ، اور میں نے دوسروں سے فائدہ حاصل کرنے میں شرم محسوس نہیں کی۔
(دیباچہ نور الایضاح، عربی ص 7، طبع کراچی)

## راہِ سلوک کا حاصل

اسی کو صوفیا یہ کہتے ہیں کہ جتنے بھی تصوّف و سلوک کے مقامات ہیں، ان میں سب سے اونچا مقام رضا بالقضا (اللہ کے فیصلے پر خوش رہنا) ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر راضی رہنا اور یہی حاصل ہے راہِ سلوک کا اور اس لیے آپ جانتے ہیں کہ جتنے بھی صحابہ کرام ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، ان میں سے جب بھی آپ کسی صحابی کا ذکر کریں گے تو آپ کی زبان سے ایک ہی لفظ نکلے گا، رضی اللہ عنہم ورضوعنہ، کیا یہ تکلیفیں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر نہیں آئیں؟؟ کیا یہ مختلف قسم کے مسائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں گزرے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا، چھ سال کے تھے کہ والدہ کا انتقال ہو گیا، دادا نے پرورش شروع کی، پھر دادا کا بھی انتقال ہو گیا، نہ باپ، نہ ماں، نہ دادا، پھر چچا نے پرورش کی، لیکن کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس کی کوئی شکایت کی؟ کبھی نہیں کی کیوں کہ یہ فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں اور یہ وہ فیصلے ہوتے ہیں جو دیکھنے میں ہماری مرضی کے خلاف ہوتے ہیں، برے لگتے ہیں، لیکن حقیقت میں ان میں ہمارے لیے خیر ہوتی ہے اور اسی میں ہمارا امتحان ہوتا ہے۔

## کراچی کی مضافاتی بستیوں کے
## ہزاروں لوگوں کے لیے

# فراہمی آب کے منصوبے

رپورٹ: خالد معین

فراہمی آب بیت السلام کے مستقل شعبہ جات میں سے ہے۔ اندرون و بیرون ملک درجنوں مقامات پر سال کے بارہ مہینے پینے کے پانی کی فراہمی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ حادثات، سانحات اور قدرتی آفات سے متاثرہ لوگوں تک پینے کا صاف پہنچانا بیت السلام کی اولیں ترجیحات میں شامل رہتا ہے۔ ایسی پس ماندہ بستیاں، جن کے رہنے والے دور دراز سے میٹھا پانی بھر کے لاتے ہیں۔ ان بستیوں میں بورنگ، کنویں یا دور سے گزرنے والی پائپ لائن سے لنک لائن بچھا کر پانی پہنچانے کے درجنوں منصوبے مکمل ہو چکے اور بیسیوں پر کام جاری ہے۔

گزشتہ دنوں کراچی کے علاقے اتحاد ٹاؤن کے چھ مقامات پر پانی فراہم کرنے کے لیے بورنگ کروائی گئی، پانی جمع رکھنے کے لیے ٹنکیاں بنوائی گئیں، اور پانی کی موٹروں کے لیے سولر سسٹم لگایا گیا۔ الحمد للہ سینکڑوں گھرانوں کے ہزاروں افراد مستفید ہو رہے ہیں۔ شعبہ فراہمی آب اس وقت کراچی کی مضافاتی بستیوں کورنگی، یوسف گوٹھ، نادرن بائی پاس، لاضری، مچھر کالونی اور شیر شاہ میں 30 سے زیادہ مقامات پر سروے کر رہا ہے۔ ان منصوبوں پر کام مکمل ہونے بعد ہزاروں لوگ مستفید ہوں گے۔ انشاءاللہ

J.
FRAGRANCES

IRREPLACEABLE CHOICE

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

پاکستان | ترکی | شام | برما | فلسطین

کے بعد اب

# افغانستان

کے ضرورتمندوں یتیموں بیواؤں اور محتاجوں کیلئے

## اشیاء، دوائیں
## غذائی اجناس
## کنٹینرز کی
## صورت میں

Bank: **MEEZAN BANK**
Branch: Dha **Phase 4** Branch
Branch Code: **0127**
Swift Code: **MEZNPKKA**
Account Title: **Baitussalam Welfare Trust**

International Welfare Projects - **Zakat**
Account No. : **0127-0102494031**
IBAN: **PK95MEZN0001270102494031**

International Welfare Projects - **Sadaqah**
Account No. : **0127-0102494084**
IBAN: **PK22MEZN0001270102494084**

Bank: **BANKISLAMI PAKISTAN LIMITED**
Branch: DHA **Phase 4** Branch
Swift Code: **BKIPPKKA**
Account Title: **Baitussalam Welfare Trust**

**Zakat**
Account no: **1024-1030876-0673**
IBAN: **PK48BKIP0102410308760673**

**Sadaqah**
Account no: **1024-1030876-0672**
IBAN: **PK75BKIP0102410308760672**

BAITUSSALAM

**Follow us**
BaitussalamWelfareTrust

**UAN**
+92 21 111 298 111

**Visit**
Baitussalam.org